بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

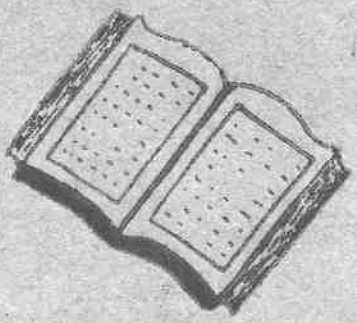

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

اپریل ۱۹۵۹ء

الفرقان

(۱) فضائلِ قرآن مجید بیان کرنے والا (۲) غیر مسلموں یعنی آریوں، عیسائیوں اور بہائیوں کے قرآن مجید پر اعتراضات کا جواب دیکر انہیں دعوتِ اسلام دینے والا۔
(۳) باشندگانِ پاکستان کو عربی زبان سکھانے والا (۴) مستشرقین کے خیالات پر تحقیقی تبصرہ کرنے والا ماہنامہ!

ایڈیٹر

ابو العطاء جالندھری

ربوہ پاکستان

سالانہ چندہ

پاکستان و بھارت پانچ روپے

دیگر ممالک دس شلنگ

آسمانی نوشتے

نتیجۂ فکر جناب مولوی ظفر محمد صاحب ظفرؔ مولوی فاضل

ملکِ استبداد مٹ کر بے نشاں ہو جائیگا
آدمی انسان بن کر کامراں ہو جائے گا

قدر ہو گی آدمی کی علم سے عرفان سے
زور و زر کا زور گھٹ کر بے نشاں ہو جائے گا

یہ چمن جس پر ہیں اب چھائے ہوئے زاغ و زغن
طوطیوں کا قمریوں کا آشیاں ہو جائے گا

گلشنِ اسلام کی رنگیں بہاریں دیکھ کر
شادمانِ باغ سے خوش باغباں ہو جائے گا

یا محمد! مجھ کو تیرے اسم احمد کی قسم
نور سے تیرے منور کل جہاں ہو جائے گا

احمدیت پھیل جائے گی جہاں میں چار سو
مطلع خورشید مغرب سے عیاں ہو جائے گا

روس بھی جو رٹ رہا ہے لا الٰہ آج کل
ذکر اِلَّا اللّٰہ سے رطب اللساں ہو جائے گا

جگمگا اٹھے گی یہ دھرتی خدا کے نور سے
مسکنِ نورانیاں یہ خاکداں ہو جائے گا

سامنے ہو گا ثبوت رحمت للعالمیں
ملجأ اقوام تیرا آستاں ہو جائے گا

الغرض میں کیا کہوں کہ کیا سے کیا ہو جائیگا
اک نیا پیدا زمین و آسماں ہو جائے گا

پھر ہو جنت سے دھتکارا ہوا یہ قافلہ
ایک دن پھر داخلِ باغ جناں ہو جائے گا

وہ مَلَک جو بے خبر تھے خاکیوں کی شان سے
سِرِّ "اِنِّی اَعْلَمُ" ان پر عیاں ہو جائے گا

دیکھنا تم اے ظفرؔ! یہ ظالم و جاہل بشر
حاملِ عرش خدائے دو جہاں ہو جائے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۹ | الفرقان ربوہ پاکستان ۞ اپریل ۱۹۵۹ء شوال ۱۳۷۸ھ | نمبر ۴

فہرست مضامین

۱- آسمانی نوشتے (اردو نظم)	جناب مولوی ظفر محمد صاحب فاضل	ٹائیٹل ص
۲- شذرات (الف) خاندانی منصوبہ بندی (ب) آنے والے طوفانوں کے مقابلہ کا طریق (ج) طلوع الشمس من مغربہا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح	ایڈیٹر	ص۲
۳- دُنیائے اسلام ارتداد کی لہروں کی لپیٹ میں	مولانا ابو الحسن صاحب ندوی	ص۴
۴- موازنہ قرآن و بائیبل (حضرت موسیٰؑ کے خاندان، انکی ولادت اور شیرخوارگی کے حالات)	ایڈیٹر	ص۹
۵- حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا عالی مقام (فارسی نظم)	سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عاشقانہ کلام	ص۱۱
۶- بنی اسرائیل کے اسباطِ عشرہ کی تلاش افغانوں میں	جناب شیخ عبدالقادر صاحب ڈلہوزی	ص۱۷
۷- ضبطِ تولید اور پاکستان	جناب حکیم عطاء الرحمٰن صاحب وائس پرنسپل جامعہ طبیہ کراچی	ص۲۰
۸- بہائی بہاء اللہ کو اسی طرح خدا مانتے ہیں جس طرح عیسائی حضرت مسیحؑ کو	ایڈیٹر	ص۲۲
۹- 'قربانیوں کی عید'	سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے قلم سے	ص۲۵
۱۰- سوالات اور ان کے جوابات	ایڈیٹر	ص۳۰
۱۱- تعاقب (دربارہ شب برات)	جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب	ص۳۲
۱۲- البیانات (قرآن مجید کا سلیس ترجمہ مختصر تفسیری نوٹوں کے ساتھ)	ابو العطاء جالندھری	ص۳۷

حرفِ محرمانہ پر تبصرہ

آئندہ نمبر سے
"حرفِ محرمانہ" پر تبصرہ شائع ہوا کریگا
احباب انتظار فرمائیں
ایڈیٹر

تردید بہائیت

دو نو رسالے یعنی
(۱) بہائی شریعت اور اس پر تبصرہ
(۲) بہائی تحریک کے متعلق پانچ مقالے
مجلد ساڑھے چار روپے میں
مینجر الفرقان ربوہ

ختم چندہ کا نشان

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکا چندہ ختم ہے جلد توجہ فرمائیں ورنہ آئندہ پرچہ وی پی ہوگا
مینجر الفرقان ربوہ

شذرات

(۱)

خاندانی منصوبہ بندی

اسلام کامل دین ہے۔ اس نے انسانوں کی تمام مشکلات کا معقول حل پیش فرمایا۔ اس کے احکام انسانوں کی مجموعی بہتری پر مشتمل ہیں۔ جب کسی خاندان یا کسی ملک میں آمدنی کی قلت اور غذائی بحران پیدا ہو جاتا ہے تو بسا اوقات ذہن اس طرف منتقل ہو جاتے ہیں کہ یہ سب مصائب کثرت آبادی اور افزائش نسل کا نتیجہ ہیں لہذا ان ذرائع کو اختیار کیا جائے جن سے ملک کی آبادی کم ہو جائے اور اولاد زیادہ پیدا نہ ہو۔ آج کے متمدن زمانہ میں اس قسم کی سوجھ بوجھ کو "خاندانی منصوبہ بندی" کا نام دیا جاتا ہے۔

ہم اس شمارہ میں اس موضوع پر ایک عمدہ مضمون جناب حکیم عطاء الرحمٰن صاحب کراچی کا شائع کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس مقالہ میں اس تجویز کے اخلاقی اور طبی نقصانات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اسے ایک اسلامی مملکت کی شان کے منافی قرار دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس ضمن میں اصحاب اقتدار کی توجہ قرآن مجید کے ارشاد ذیل کی طرف مبذول کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے، رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کے حالات کو دیکھنے والا ہے۔ تم اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کے خطرہ کے پیش نظر قتل مت کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی دیں گے۔ ان کو اس طرح قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے۔"

ان آیات میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب غذا کی تنگی کا خطرہ ہو تو ان کا رجحان اس طرف نہیں جانا چاہیئے کہ آئندہ نسل کو قتل کر دیا جائے، انہیں کم کر دیا جائے، ان کی پیدائش کو روک دیا جائے۔ بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر بھروسہ کرتے ہوئے دوسرے مثبت ذرائع کی تلاش کرنی چاہیئے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ نحن نرزقهم وایاکم کے مطابق وسعت رزق کے سامان پیدا کرے گا اور انسانوں کی کوششوں کو مثمر ثمرات حسنہ بنائے گا۔

(۲)

مادہ پرستی اور دجالیت کے آنے والے طوفانوں کے مقابلہ کا طریق

ہم نے اس اشاعت میں مولانا ابوالحسن صاحب ندوی کا ایک پُرسوز مقالہ درج کیا ہے۔ وہ عالم اسلام کی زبوں حالی کی ایک ہولناک تصویر ہے۔ مادہ پرستی اور دجالیت کے آنے والے طوفانوں کا مقابلہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

بقول مولانا محمد منظور صاحب نعمانی صرف اور صرف کامل ایمان اور کامل ایمان والی زندگی سے ان طوفانوں کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ موجودہ مسلمانوں کا "بے جان عقیدہ" اور "سسکتا ہوا ایمان" آج کام نہیں دے سکتا۔ آپ بھی مولانا کے بیان کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:۔

"یہ بگاڑ صدیوں پہلے سے ہم میں آچکا ہے۔ لیکن اب تک زمانہ ایسا رہا ہے کہ اس بگاڑ کی وجہ سے ہماری دینی اور ایمانی حالت گرتی تو رہی مگر اس کے باوجود اللہ اور رسولؐ اور ان کے دین پر ہمارا عقیدہ اتنا باقی رہا کہ ہم اب تک مسلمان رہے اور مسلمان ہیں۔ لیکن الحاد اور مادہ پرستی کی جو طاقتور تحریکیں اس دور میں آندھی اور سیلاب کی رفتار سے چل رہی ہیں ان کا مقابلہ یہ بے جان عقیدہ اور اس زمانہ کے مسلمانوں کا یہ نیم جان اور سسکتا ہوا ایمان نہیں کر سکتا۔ فضا میں جب سکون ہو، ہوا بھی نہ چل رہی ہو تو پرندہ کا پر اور درخت سے گرا ہوا سوکھا پتا بھی اپنی جگہ پڑا رہتا ہے لیکن جب آندھیاں اور سیلاب آئیں تو کمزور جڑوں والے درخت بھی اکھڑ کر بہہ جاتے ہیں اور صرف مضبوط جڑوں والے درخت ہی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں ـــــ میرے بھائیو اور بزرگو! میں کوئی صاحبِ کشف والہام نہیں ہوں گنہگار قسم کا ایک عاصی مسلمان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو عام سمجھ اور بصیرت بخشی ہے اس کی بناء پر کہتا ہوں اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں۔ ہمارے اس دور کے مسلمانوں میں حقیقی ایمان اور ایمان والی زندگی پیدا کرنے اور عام کرنے کے لئے اگر کوئی خاص جدّوجہد وسیع پیمانہ پر اس دور میں نہ کی گئی۔ اور یہ عام اُمت اسی حال میں رہی جو اس وقت اس کا بگڑا ہوا حال ہے تو یہ بے جان عقیدہ اور یہ ٹوٹا پھوٹا اسلام بھی اس کے پاس باقی نہ رہ سکے گا ـــــ الحاد و مادہ پرستی اور دجالیت کے آنے والے طوفانوں کے مقابلہ میں اللہ کے وہی بندے دین و ایمان پر قائم رہیں گے جن کے دلوں کو حقیقی ایمان و یقین نصیب ہوگا۔ اور جن کی زندگی اہل ایمان والی ہوگی۔"

(رسالہ ندائے حق لاہور فروری ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۲)

کیا اب بھی کہا جا سکتا ہے کہ ثریا سے ایمان کو واپس لانے والے رجل فارسی کی ضرورت نہیں؟

(۳)

طلوع الشمس من مغربہا کا مطلب
اور حضرت معین الدین چشتی رح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کی علامات میں ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ اس وقت سورج مغرب کی طرف سے طلوع کریگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کے وقت اس علامت کا پورا ہونا ضروری تھا۔ مغرب سے طلوع شمس کے معنے عام مولوی صاحبان تو یہی کرتے تھے کہ قیامت کے دن سورج مشرق سے نکلنے کی بجائے مغرب سے چڑھے گا اور دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا لیکن اہل اللہ اور روحانی لوگ اسکے یہ معنے نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک اس علامت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ اسلام کی ترقی کے سامان مغربی ممالک سے کریگا اور اسلام کا آفتاب آخری دنوں میں مغربی ملکوں پر پوری آب و تاب سے چمکے گا۔ اور مث

(باقی پر)

دُنیائے اسلام اِرتداد کی لہروں کی لپیٹ میں

ایک دردمندانہ جائزہ اور صحیح تشخیص

ذیل کا مقالہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے "نیا ارتداد" کے زیرعنوان بھارت سے شائع ہونے والے حنفی رسالہ الفرقان لکھنؤ کی فروری ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع کرایا ہے۔ بعض مکرر حصوں کو چھوڑ کر ہم اسے لفظ بلفظ نقل کر رہے ہیں۔ اس مضمون سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت کس درجہ ابتر ہو چکی ہے اور انہیں ایک آسمانی روحانی تحریک کی کتنی شدید ضرورت ہے۔ امامِ ربانی بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے درست فرمایا تھا ؎

خستگانِ دیں مرا از آسماں طلبیدہ اند
آمدم وقتے کہ دلہا خوں زغم گردیدہ اند

(ایڈیٹر)

اسلام کی تاریخ میں ارتداد کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں۔ سب سے بڑا اور سخت سانحہ ارتداد عرب قبائل کا ارتداد تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد پیش آیا۔ یعنی وہ زبردست باغی تحریک جس کو ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بے نظیر عزم و ایمان سے سر اُٹھاتے ہی کچل دیا تھا۔ دوسرا بڑا ارتدادی واقعہ نصرانیت اختیار کر لینے کی وبا تھی جو ہسپانیہ سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد پھیلی اور بعض ان دوسرے ملکوں میں بھی رونما ہوئی جو مسیحی مغربی طاقتوں کے زیر نگیں تھے اور عیسائی پادری اور مشنری وہاں اس مقصد کے لئے سرگرم عمل تھے۔ ان معتدبہ واقعات کے علاوہ ارتداد کے وہ اکا دکا واقعات بھی ہیں کہ مثلاً ہندوستان میں کسی ضعیف العقل اور پست طبیعت فرد نے اسلام کو چھوڑ کر برہمنیت یا آریہ سماجیت اختیار کر لی۔ لیکن ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ــــ اگر بدنصیب ہسپانیہ کے فتنۂ نصرانیت کو ارتداد کہنا صحیح ہے تو اس کو مستثنیٰ کر کے کہا جا سکتا ہے کہ ــــ مسلمانوں کی تاریخ کسی عام ارتداد سے آشنا نہیں ہوئی ہے جیسا کہ مؤرخین مذاہب کا اعتراف ہے .....

لیکن اب کچھ عرصہ سے دنیائے اسلام کو ایک ایسے ارتداد سے سابقہ پیش آیا ہے جس نے اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آفت مچائی ہے۔ یہ اپنی شدت و قوت اور وسعت و عمق میں اب تک کی تمام ارتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے۔ کوئی ملک نہیں ہے جو اس کی غارتگری سے بچا ہوا ہو۔ بلکہ ملک تو ملک خاندانوں میں ایسے مشکل ہی سے تھوڑے بہت ہونگے جو اس کی دست برد سے محفوظ ہوں۔ یہ وہ ارتداد ہے جو شرق اسلامی پر یورپ کی سیاسی اور تہذیبی طاقت کے پیچھے پیچھے آیا ہے۔ یہ سب سے عظیم ارتداد ہے جو عہد رسالت سے لے کر آج تک کی اسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے۔

شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں "ارتداد" کے کیا معنی ہیں؟ ایک دین کے بدلے دوسرا دین اور ایک عقیدے

کے بدلے دوسرا عقیدہ اختیار کرنا۔ رسولؐ جو تعلیمات لے کر آیا جو کچھ اس سے تواتراً منقول ہے اور جو کچھ اسلام میں قطعی طور پر ثابت ہے اس سے انکار کرنا!! اور ایک مرتد کیا رویہ اختیار کرتا تھا؟ رسالتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا انکار کرتا تھا اور مسیحیت، یہودیت یا برہمنیت کی طرف منتقل ہو جاتا تھا یا الحاد کی راہ اپناتا اور وحی و رسالت اور آخرت سے منکر ہو جاتا تھا۔ یہ ارتداد کے وہ معنی ہیں جن سے پرانی دنیا یا پرانی سوسائٹی واقف تھی۔ ہر وہ شخص جو اپنا دین چھوڑتا تھا۔ اگر مثال کے طور پر نصرانی بن جاتا۔ کلیسا میں داخل ہوتا یا ہیکل میں جاتا یا اگر برہمنیت اختیار کرتا تو بت خانہ کی راہ لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ ارتداد سب پر روشن ہو جاتا تھا اور مرتد دور سے پہچان لیا جاتا تھا۔ اس کی طرف انگلیاں اٹھتی تھیں اور مسلمان اس شخص سے تمام امیدیں منقطع کر لیتے تھے۔ الحاصل عام طور پر کسی کا ارتداد کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا۔

یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے جن کی بنیاد اس عالم میں کارفرما (متصرف) قوت کے انکار پر تھی۔ وہ قوت جو اس دنیا کو عدم سے وجود میں لائی اور جس کے دستِ تصرف میں کائنات کی زمامِ کار ہے (الا لہ الخلق والامر۔ خبردار اس نے تخلیق کی اور اسی کا حکم چلتا ہے) وہ فلسفے جو عالمِ غیب، وحی، نبوت شرائع سماویہ اور روحانی و اخلاقی قدروں کے انکار پر مبنی تھے۔ یہ بھی مغرب سے لائے ہوئے تمام فلسفوں کی مشترک بنیاد جن میں کوئی علم الحیات اور ارتقاء کے مسائل سے بحث کرتا تھا کسی کا تعلق اخلاق سے تھا، کسی کا محور علم النفس تھا اور کسی کا موضوع بحث سیاست و اقتصاد۔ یہ فلسفے اپنے موضوعات و الوان میں خواہ باہم کتنے ہی مختلف تھے تاہم اس نقطے پر سب ملتے تھے کہ انسان اور کائنات کو محض مادی نظر سے دیکھیں اور ان دونوں کے ظاہری احوال و افعال کی مادی توجیہہ کریں۔

یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اس کے باطن تک گھس گئے۔ یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے جو تاریخ میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے۔ سب سے بڑا دین اپنی وسعتِ اشاعت کے لحاظ سے سب سے گہرا دین اپنی جڑوں کے لحاظ سے اور سب سے طاقتور دین دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنے کے لحاظ سے۔ اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھا اس دین پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے اسے نہایت خوشگواری کے ساتھ حلق سے اتارا اور اطمینان کے ساتھ ہضم کر لیا۔ وہ اس دین کا ٹھیک اسی طرح پیرو بن گیا جس طرح ایک مسلمان اسلام کا اور ایک مسیحی مسیحیت کا۔ حتیٰ کہ وہ اس پر جان دیتا ہے، اس کے شعائر کی عزت کرتا ہے، اس کے رہنماؤں اور داعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اپنے ادب اور تالیفات میں اس دین کی دعوت دیتا ہے اور جو دین، جو نظام اور جو طرزِ فکر اس کے معارض ہوتا ہے اس کی تحقیر کرتا ہے اس دین کے ہر پیرو سے وہ اخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے اور اس طرح یہ تمام افراد ایک اُمت، ایک خاندان اور ایک گروہ بن گئے ہیں۔

یہ نیا دین ـــــ اگرچہ اس کے پیرو اس کو "دین" کا نام دینے سے انکار کرتے ہوں ـــــ کیا ہے؟ کائنات کو وجود میں لانے والی اس علیم و خبیر ہستی کا انکار جو مالکِ تقدیر بھی ہے اور رہنمائے حیات بھی (اَلَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی) حیات بعد الموت، حشر، جنت و دوزخ اور ثواب و عذاب کا انکار، نبوت و رسالت کا انکار، شرائع سماویہ اور حدودِ شرعیہ کا انکار، اور اس حقیقت کا انکار کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوق پر اپنے عظیم تر رسولؐ (خاتم الرسلؐ) کی اطاعت فرض کی ہے اور ہدایت و سعادت کو اس کی پیروی میں منحصر کر دیا ہے۔ اور اس بات کا انکار کہ اسلام وہ آخری اور دائمی پیغام ہے جو دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا کفیل ہے اور زندگی کا ایک نظام ہے جو سب سے اعلیٰ اور افضل ہے

اور یہی دین ہے جس کے علاوہ کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں اور جس کے بغیر دین و دنیا کی فلاح و سعادت کا کوئی امکان نہیں اور اس کا انکار کہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ کے لئے۔

آج جس طبقہ کے ہاتھ میں اکثر ممالک اسلامیہ کی زمام حیات ہے وہ اسی دین کا پیرو ہے۔ اگرچہ یہ سب پختگیٔ ایمان اور سرگرمیٔ عمل میں ایک درجہ کے نہ ہوں۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طبقہ میں ایسے افراد بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر اس طبقہ کا وہ وصف جو افسوس ہے کہ اس پر غالب ہو گیا ہے اور اس کے اکثر اور مقتدر افراد کا دین یہی مادہ پرستی اور زندگی کا مغربی فلسفہ ہے جو الحاد پر مبنی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے جس نے عالم اسلامی کو اِس سرے سے اُس سرے تک تاراج کیا ہے، گھر گھر اور خاندان خاندان اس کا حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں اور اداروں سب پر اس کی یورش ہوئی ہے مشکل ہی سے کوئی ایسا خوش قسمت خاندان ہوگا جس میں اس دین کا کوئی پیروکار، پرستار اور عقیدت گزار موجود نہ ہو۔ تم جب ذرا اس سے تنہائی میں باتیں کرو گے، کچھ چھیڑو گے اور اندر کی بات اگلواؤ گے تو دیکھو گے کہ یا وہ ایمان باللہ سے محروم ہوگا یا ایمان بالیوم الآخر سے خالی ہوگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھتا ہوگا۔ یا قرآن کو ایک معجزہ ابدی کتاب اور دستورِ حیات نہ مانتا ہوگا۔ اور ان میں سب سے غنیمت وہ ہوگا جو کہے گا کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا اور ان کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔

بلاشبہ یہ ارتداد ہے۔ لیکن اس نے مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف نہیں کھینچی کیوں؟ اس لئے کہ اس ارتداد کا مارا ہوا کلیسا یا ہیکل میں نہیں جاتا۔ اور نہ اپنے ارتداد اور تبدیلیٔ مذہب کا اعلان کرتا ہے۔ نہ معاشرہ اس پر چونکتا ہے۔ کہ احتساب و عتاب کی صورت پیش آئے۔ اور فصل و انقطاع کا معاملہ درپیش ہو بلکہ وہ بدستور اسی سوسائٹی اور معاشرہ میں رہتا ہو۔ اپنے تمام حقوق حاصل کرتا ہے۔ بلکہ معاشرہ پر حاوی ہونے تک کا موقع اس کو مل جاتا ہے۔ یہ عالم اسلامی کا نہایت اہم مسئلہ اور بڑا قابل فکر معاملہ ہے۔ ارتداد پھیلتا ہے، اسلامی معاشرہ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور کوئی اس پر چونکتا تک نہیں۔ علماء امت اور رجال دین اس سے کوئی پریشانی اور بے چینی نہیں محسوس کرتے پہلے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تھا تو لوگ اس کو حل کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ضرب المثل تھی "قضیۃ ولا ابا حسن لہا"۔ اس ارتداد کے موقع پر بے ساختہ حضرت ابوبکرؓ کی شان عزیمت یاد آتی ہے۔ اور کہنا پڑتا ہے "قضیۃ ولا ابا بکر لہا"۔

لیکن یاد رکھیے یہ مسئلہ جنگ نہیں چاہتا اور نہ اس پر رائے عامہ کو بھڑکانا درست ہے یہ برافروختگی اور سختی سے حل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سختی الٹا نقصان پہنچائے گی اور فتنہ کو اور بھڑکا دے گی۔ اسلام خفیہ تحقیقاتی عدالتوں سے آشنا نہیں ہے۔ اور نہ وہ جبر و ظلم کا روادار ہے۔ یہ معاملہ عزم و حکمت اور صبر و تحمل چاہتا ہے اور اس سے نپٹنے کے لئے غور و فکر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ یہ نیا دین اسلامی دنیا میں کیونکر پھیل سکا؟ کیسے اسے یہ طاقت ہو سکی کہ مسلمانوں پر عین ان کے گھر کے اندر جا کر حملہ آور ہو سکے؟ اور کیونکر اس کے لئے ممکن ہوا کہ لوگوں کی عقلوں اور طبیعتوں پر اس قدر قوت کے ساتھ مستولی ہو جائے؟ یہ سب سوالات ہیں جو بڑی گہری اور دقیق فکر اور بڑے وسیع مطالعہ کو چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہوا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام پر تھکاوٹ اور بڑھاپے کے آثار طاری ہونے لگے دعوت و عقیدہ اور علم و عقلیت کے لحاظ سے وہ انتہائی ضعف و انحطاط میں مبتلا ہو گئی —— اسلام تو بے شک بڑھاپے کی منزل سے آشنا نہیں ہے۔ اس کی مثال سورج کی

سی ہے کہ قدیم ہونے کے باوجود ہر وقت جدید اور ہر دم جواں لیکن یہ مسلمان تھے جو ضعف و پیری کا شکار ہو گئے ——— نہ علم میں وسعت رہی، نہ فکر میں ندرت، نہ عقل کی عبقریت، نہ دعوت کا جوش و ولولہ اور نہ الا ماشاء اللہ اسلام کو موثر طریقہ پر پیش کرنے کا سلیقہ۔

مزید برآں یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں سے ربط نہیں رکھا گیا۔ اور نہ ان کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ مستقبل کا دور انہیں کا تھا۔ اس نوخیز نسل کو اس بات کا قائل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کہ اسلام ایک سدا بہار پیغام اور دین انسانیت ہے۔ قرآن ہی تنہا وہ معجزہ اور ابدی کتاب ہے جس کے عجائبات کی انتہا نہیں۔ جس کے ذخائر فکریہ کا اختتام نہیں اور جس کی حجت پر کہنگی کا گزر نہیں۔ رسول اپنی ذات سے ایک زبردست معجزہ، تمام نسلوں کا رسول اور تمام زمانوں کا امام ہے۔ اسلامی شریعت، قانون سازی کا ایک معیاری نمونہ ہے۔ اس میں زندگی کے ساتھ چلنے اور اس کے صحیح مطالبات کا جواب دینے کی پوری صلاحیت ہے۔ ایمان و عقیدہ اور اخلاق و روحانی اقدار ہی وہ بنیادیں ہیں جن پر ایک شریف سوسائٹی اور پاکیزہ تمدن کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ نئی تہذیب کے پاس صرف ذرائع و وسائل ہیں۔ اخلاق و عقائد اور غایات و مقاصد کا سرچشمہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں اور ایک متوازن اور صالح تمدن کا قیام صرف اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ مقاصد و وسائل صحیح تناسب کے ساتھ جمع ہوں۔

یہ صورت حال اور یہ وقت تھا جب یورپ اپنے فلسفوں کا لشکر لے کر اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوا۔ وہ فلسفے جن کی تدوین اور تراش و خراش بڑے بڑے فلاسفہ اور یگانۂ روزگار شخصیتوں کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ تھی جنہوں نے ان پر ایسا علمی اور فلسفیانہ رنگ چڑھایا تھا کہ معلوم ہو یہ فکر انسانی کی معراج ہے۔ مطالعہ و تحقیق اور عقل انسانی کی پرواز اس پر ختم ہے اور غور و فکر کا یہ وہ نچوڑ ہے جس کے بعد کچھ اور سوچا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں جو تجربات و شہادات پر مبنی تھیں اور وہ صحیح تھیں۔ اور بہت سی چیزیں وہ تھیں جو محض ظن و تخمین اور فرض و تخیل پر مبنی تھیں۔ گویا ان میں حق بھی تھا اور باطل بھی، علم بھی تھا۔ اور جہل بھی، مضبوط حقائق بھی تھے۔ اور شاعرانہ تخیلات بھی ——— شاعری، یہ نہ سمجھئے کہ نظم و قافیہ بندی ہی میں منحصر ہے یہ فلسفہ و علم کے میدان میں بھی ہوتی ہے۔

یہ فلسفے مغربی فاتحین کے جلو میں آئے اور مشرقی عقل و طبیعت نے فاتحین کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ مشرق کے تعلیم یافتہ طبقہ نے بڑھ کر ان کو قبول کیا؟ ان لوگوں میں وہ بھی تھے۔ جنہوں نے سمجھ کر قبول کیا تھا، مگر وہ کم تھے، زیادہ تو وہ تھے جو ذرا بھی نہیں سمجھتے تھے لیکن معتقد اور مومن سب، اور سب ایک سرے سے مسحور۔ ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل و خرد کا معیار بن گیا۔ اور اس کو روشن خیالوں کا شعار سمجھا جانے لگا۔

اگر یہ صورت حال یونہی چلتی رہی تو یہ الحاد و فساد ان عوام میں بھی گھس کر رہے گا۔ دیہاتوں کے سادہ دل مسلمان بھی اس کی لہروں سے نہ بچ سکیں گے۔ اور کھیت اور کارخانوں کے مزدوروں کا بھی دین و ایمان یہ تلپٹ کر کے چھوڑے گا۔ یہ سب کچھ اسی رفتار اور انداز سے یورپ میں ہو چکا ہے اور اگر حالات کا رُخ اور رفتار یہی رہی اور اللہ کا ارادہ قاہرہ بیچ میں حائل نہ ہو گیا۔ تو مشرق میں بھی یہی سب کچھ ہونے جا رہا ہے۔

ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ یہ دنیائے اسلام جسکے ہم نے بہت گن گائے ہیں۔ اور اس کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ، خاص طور سے ایک نئی اسلامی دعوت کا شدید محتاج ہے ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ آج جو لوگ دعوتی کام کر رہے ہیں۔ ان کا یہ نعرہ اور نشانہ کہ "آؤ پھر سے ایمان لاؤ"[1]

[1] "الی الایمان من جدید"

درست ہے۔ مگر محض نعرہ کافی نہیں ہے۔ عمل سے پہلے ضروری ہے کہ لائحہ عمل کا بابت سنجیدگی سے جائزہ لے لیا جائے۔ اور نہایت پُرسکون اور گہری فکر کے ساتھ یہ سوچا جائے کہ تعلیم یافتہ طبقہ جو زندگی کے سارے شعبوں پر قابض ہے اسے کس طرح از سرِ نو اسلام کی طرف لوٹایا جائے۔ ہم کیسے اس میں ایمان اور اسلام پر اعتماد کی روح پھونک دیں۔ کیسے ہم اس کو مغربی فلسفوں، لادینی نظریوں اور تہذیبِ حاضر کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

یہ دعوت ——— جس کے متعلق میرا یقین ہے کہ اس زمانہ میں سب سے افضل دعوت اور سب سے افضل جہاد ہے ——— ایسے مردانِ کار چاہتی ہے جو صرف اسی کے ہو رہیں۔ اپنا علم، اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال و متاع اس کے لئے وقف کر دیں۔ کسی جاہ و منصب یا عہدہ و حکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ کسی کے لئے ان کے دل میں کینہ و عداوت نہ ہو۔ فائدہ پہنچائیں مگر خود فائدہ نہ اٹھائیں۔ دینے والے ہوں لینے والے نہ ہوں۔ جو طبقہ جس چیز کے لئے مرتا ہو اس کو اسی کے لئے چھوڑ دیں۔ حرص و ہوس کے میدان میں کسی سے کوئی مزاحمت نہ کریں۔ حتیٰ کہ ان پر کوئی تہمت نہ لگائی جا سکتی ہو۔ اور شیطان ان کے خلاف کوئی ہتھیار فراہم کر کے نہ دے سکتا ہو۔ اخلاص ان کا شعار ہو، اور نفس پرستی، خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر نظر آتے ہوں۔

اس دعوت کا مزاج سیاست اور پارٹی بازی کے مزاج سے قطعاً مختلف ہے۔ اس کے لئے اگر کوئی نمونہ ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی سیرت میں ہے۔ جیسے کہ حسن بصری، احمد بن حنبل، ابو حامد الغزالی، عبدالقادر جیلانی، عبدالرحمٰن بن الجوزی، ابن تیمیہ، اور شیخ احمد مجدد الف ثانی۔"

اس فریضہ کی ادائیگی میں ایک دن کی بھی تاخیر کا موقع نہیں ہے۔ دنیا نے اسلام کو ارتداد کی زبردست لہر کا سامنا ہے۔ ایسی لہر جو اس کے عزیز ترین طبقوں اور بہترین حصوں میں پھیل چکی ہے۔ یہ اس عقیدے، اس نظامِ اخلاق اور ان اقدار کے خلاف بغاوت ہے جو دنیائے اسلام کی سب سے بڑھ کر متاع ہے۔ اگر یہ دولت ضائع ہو گئی جو رسولؐ کا ترکہ ہے جسے نسلوں پر نسلیں منتقل کرتی ہوئی لائی ہیں اور جس کی راہ میں اسلام کے جانبازوں نے مصائب کے کتنے ہی پہاڑ اٹھائے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ عالم اسلام بھی گیا۔"

شذرات ——— (بقیہ صـ۳)

اسلام کو غلبہ ہو گا۔ گویا یہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی بشارت ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ رسالہ "ندائے حق" لاہور میں جناب مولانا نور الدین اجمیری جامعہ محمدی ضلع جھنگ لکھتے ہیں:—

"میں چونکہ سلسلہ چشتیہ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں اسلئے آخر میں اپنے خواجہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی سنجری ثم اجمیری قدس سرہ العزیز کی ایک پیشگوئی بھی نقل کر دینا اس موقع پر بطور تکملہ ضروری سمجھتا ہوں خواجہ بزرگ نے فرمایا:-

"اللہ مسلمانان را باید کہ با زمنت با اہل زمین ہند و این وقت است کہ بجز اتفاق کردن ہیچ راہ نباشد تا وقتیکہ آفتاب اسلام از افق مغرب جلوہ گری نماید۔ از قلم فقیر معین الدین چشتی در ششہ ہجری بظہور آمد۔"

خواجہ بزرگ نے اپنی اس نصیحت اور پیشگوئی کو لفظ اللہ سے شروع کیا ۔ ۔ ۔ میرے خواجہ نے نصیحت فرمائی کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اہل زمین پر اپنے احسان کا بار رکھیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو باہمی اتفاق اور اتحاد کے ساتھ رہنا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ان دو بنیادی نصیحتوں کے بعد طلوعِ اسلام کی افق مغرب سے خوشخبری سنائی۔" (رسالہ ندائے حق لاہور فروری ۱۹۵۹ء صـ۶)

موازنۂ قرآن و بائیبل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاندان، اُن کی ولادت اور شیر خوارگی کے حالات

از روئے بائیبل اور قرآن مجید

قرآن مجید کی صداقت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ عین ضرورت کے وقت آیا ہے قرآن مجید کے نزول کے وقت دنیا کی ابتر حالت ایک آسمانی کتاب کا تقاضا کر رہی تھی۔ کیونکہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی حالت بگڑ چکی تھی اور ظھر الفساد فی البر و البحر کا نظارہ نظر آرہا تھا۔ علاوہ ازیں سابقہ کتب میں تحریف کے باعث ان کی بہت سی ابدی صداقتیں مسخ ہو کر رہ گئی تھیں اور اہل کتاب اس قدر اختلافات میں مبتلا تھے۔ کہ ایک جویائے صداقت کے لئے ان کتابوں سے روشنی اور ہدایت پانا قریباً ناممکن بن گیا تھا۔ ایسے وقت میں قرآن مجید کا بطور کامل شریعت کے نازل ہونا دنیا کے لئے بہت بڑی نعمت اور خوشخبری تھی۔ قرآن مجید نے جہاں ایک طرف روحانی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا۔ اور اہل کتاب و غیر اہل کتاب کو روحانی زندگی کی بشارت دی۔ وہاں پر اس نے دوسری جانب یہود و نصاریٰ کے تمام قابل ذکر اختلافات کا فیصلہ فرمایا۔ ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون (النمل ۷۷)

بائیبل (مجموعہ تورات و انجیل وغیرہ) کے ماننے والے یہود و نصاریٰ نے ایک خطرناک خرابی یہ پیدا کر رکھی تھی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کو نہایت بدنما کر دیا تھا۔ ان کی طرف ایسے ایسے امور منسوب کئے جن سے ان کی عزت و عصمت خاک میں مل گئی۔ یہود اپنی بداعمالی کے باعث اس قسم کے افسانوں میں تسلی پاتے تھے۔ اور عیسائی اپنے مزعومہ کفارہ کیلئے انہیں بنیاد قرار دینے کے لئے ان پر اصرار کرتے تھے۔ بہرحال نزول قرآن مجید کے وقت وہ پیغمبران برحق سخت مظلوم تھے۔ جن کو یہودی اور عیسائی ماننے کے دعویدار تھے۔ قرآن مجید نے جہاں اصولی اور بنیادی طور پر سب انبیاء علیہم السلام کو معصوم قرار دیا وہاں تفصیلی طور پر یہود و نصاریٰ کے موٹے موٹے الزامات کی بالتصریح تردید فرمائی۔ قرآن مجید نے جملہ نبیوں کی شان کو اجاگر کیا اور ان کی حقیقی عزت کو قائم کیا۔ اصولی طور پر انبیاء کی شان یوں بیان فرمائی۔

لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ

يعملون يعلم ما بين ايديهم
وما خلفهم ولا يشفعون الا لمن
ارتضى وهم من خشيته مشفقون
(الانبياء ۲۷-۲۸)

کہ انبیاء بات کرنے میں اللہ تعالے سے آگے نہیں بڑھتے بلکہ اس کے قول کے مطابق ان کا قول ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالے کے امر پر پورے طور پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالے ان کی ماضی، حاضر اور مستقبل کو خوب جانتا ہے۔ وہ اللہ کی بارگاہ میں اسی کی سفارش کرتے ہیں۔ جو پسندیدہ ہوتا ہے۔ اور باین ہمہ بموجب مقولہ

"ہر کہ عارف تر است ترساں تر"

وہ اللہ تعالے سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کی **قولی، فعلی** بلکہ **ارادی معصومیت** کو بیان کیا گیا ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی طرف سے انبیاء پر لگائے گئے بڑے بڑے جملہ الزامات کی قرآن مجید میں تردید فرمائی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض نبیوں کے حالات و واقعات کو متعدد مرتبہ مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک غور نہ کرنے والا شخص خیال کرتا ہے۔ کہ ایک ہی واقعہ کو بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ ہر مقام پر اس واقعہ کے خاص پہلو کو ایک خاص غرض سے ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے خاص حصوں کے ذریعہ سے یہود و نصاریٰ کے بیان کردہ قصوں کی تردید یا اصلاح مد نظر ہوتی ہے۔ اور اس نبی کے بعض صفات کو نمایاں طور پر بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔ تو قرآن مجید میں کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں ہے۔ جسے اصطلاحی تکرار کے نام سے پکارا جا سکے۔

قرآن مجید کا یہ اسلوب لطیف ایک دلکش اور جاذب نظر بیان ہونے کے علاوہ اہل کتاب کے لئے ایک تازیانہ اور انبیاء بنی اسرائیل پر ایک احسان **عظیم** ہے اس طریق سے قرآن مجید کی فضیلت بھی بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم نے چاہا کہ رسالہ الفرقان میں انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے سلسلہ میں بائیبل اور قرآن مجید کے بیانات کا موازنہ شائع کیا جائے۔ جس سے قرآن پاک کی برتری خود بخود عیاں ہو جائیگی۔ سب سے پہلے ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے شروع کرتے ہیں۔ اور آج کی قسط میں ان کے **خاندان**، ان کی **ولادت** اور **شیر خوارگی** کے حالات دونوں کتابوں سے درج کرتے ہیں۔

ان کے ذکر کرنے سے پیشتر یہ **توضیح** نہایت ضروری ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا بدیہی دلائل اور واضح براہین سے ثابت ہے اور بائیبل میں تحریف ہو جانا اپنوں اور بیگانوں کے مسلمات میں سے ہے اس لئے ہم بائیبل کے انہی بیانات کو درست یقین کرتے ہیں۔ جنہیں قرآن مجید کی تصدیق حاصل ہے۔ ہم اعتقاداً بائیبل کو براہ راست مستند اور حجت نہیں مانتے۔ بنا بریں ہمارے نزدیک یہ طریق درست نہیں کہ قرآن مجید کے بیانات کو بائیبل کے بیان کے تابع کیا جائے۔ بلکہ بائیبل کے بیانات کو قرآن مجید کی روشنی میں تسلیم کیا جائے گا۔ ضمناً یہ اشارہ بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہ کوئی تاریخی کتاب ہے۔ اور اس میں سب تاریخی واقعات درج ہیں۔ قرآن مجید کا دعویٰ کامل الہامی کتاب اور جامع شریعت ہونے کا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات، اور بعض تاریخی واقعات عبرت کے لئے مذکور ہیں یا انہیں پیشگوئی کا رنگ حاصل ہے۔ اور یا پھر اس بیان کے ذریعہ

کسی نبی پر سے یہود و نصاریٰ کے الزام کی تردید مقصود ہوتی ہے۔ اب اس تمہید کے بعد ہم حضرت موسیٰؑ کے واقعات ہر دو کتب سے درج کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاندان

بائیبل میں لکھا ہے۔ کہ:۔

"بنی لاویوں کے گھرانے یہ ہیں۔ لبنی کا گھرانا جدرن کا گھرانا۔ محلی کا گھرانا۔ موسیٰ کا گھرانا قرح کا گھرانا۔ اور قہات سے عمرام پیدا ہوا۔ اور عمرام کی جورو کا نام یوکبد تھا۔ لاوی کی بیٹی جسے اس کی ماں لاوی سے مصر میں جنی۔ سو عمرام سے ہارون اور موسیٰ اور ان کی بہن مریم کو جنی"۔ (گنتی $\frac{26}{59-60}$)

قرآن مجید فرماتا ہے:۔

ان اللّٰہ اصطفیٰ آدم ونوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللّٰہ سمیع علیم۔ (سورۂ آل عمران ۳۴،۳۳)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے خاندان اور عمران کے خاندان کو یقیناً سب جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ اس نے ایک ایسی نسل کو فضیلت دی جو ایک دوسرے سے پوری مطابقت رکھنے والی تھی۔ اور اللہ بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے"۔

قرآن مجید نے اس آیت میں عمران کے خاندان کو اپنے وقت کا بہترین خاندان قرار دیا ہے۔ اور ان کی فضیلت کا اعلان فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت اور شیر خوارگی

بائیبل کہتی ہے:۔

(الف) "پھر لاوی کے گھرانے کے ایک شخص نے جا کر لاوی کی نسل میں ایک عورت سے بیاہ کیا۔ وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا۔ اور جب آگے کو چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا۔ اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا۔ اور اس کی بہن دور سے کھڑی دیکھتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے پھرنے لگیں۔ اس نے جھاؤ میں ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھالے۔ جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا۔ اور دیکھو وہ روتا ہے سو اسے اس پر رحم آیا۔ اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے۔ تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی کو کہا کیئے۔ تو میں جا کے عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تجھ پاس لے آؤں تاکہ وہ تیرے لئے اس لڑکے کو دودھ پلائے فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ جا۔ وہ چھوکری گئی اور لڑکے کی ماں کو بلایا۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ اس لڑکے کو لے اور میرے لئے دودھ پلا۔ میں تجھے درماہا دوں گی۔ اس عورت نے لڑکے کو لیا۔ اور دودھ پلایا جب لڑکا بڑھا وہ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لائی اور وہ اس کا بیٹا ٹھہرا۔ اس نے اس کا نام موسیٰ رکھا اور کہا اس سبب سے کہ میں نے اسے پانی سے نکالا"۔

(خروج $\frac{2}{1-10}$)

(ب) "اس وقت کہ دوسرا بادشاہ مصر پر حکمران ہوا جو یوسفؑ کو نہ جانتا تھا۔ اس نے ہماری قوم سے چالاکی کر کے ہمارے باپ دادوں کے ساتھ یہاں تک بدسلوکی کی کہ انہیں اپنے بچے پھینکنے پڑے تاکہ زندہ نہ رہیں۔ اس موقع پر موسیٰ پیدا ہوا۔ جو نہایت خوبصورت تھا وہ تین مہینے تک اپنے باپ کے گھر میں پالا گیا۔ مگر جب پھینک دیا گیا تو فرعون کی بیٹی نے اسے اٹھا لیا اور اپنا بیٹا کر کے پالا۔" (اعمال ۷/۱۹-۲۲)

(ج) "ایمان ہی سے موسیٰ کے ماں باپ نے اس کے پیدا ہونے کے بعد تین مہینے اس کو چھپائے رکھا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ بچہ خوبصورت ہے اور وہ بادشاہ کے حکم سے نہ ڈرے۔" (عبرانیوں ۱۱/۲۴)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(الف) نتلوا علیك من نبأ موسیٰ وفرعون بالحق لقوم یؤمنون ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا یستضعف طائفة منهم یذبح ابناءهم ویستحیی نساءهم انه كان من المفسدین ۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین ونمكن لهم فی الارض ونری فرعون وهامان وجنودهما منهم ما كانوا یحذرون ۔ واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوه الیك وجاعلوه من المرسلین فالتقطه آل فرعون لیكون لهم عدوا وحزنا ان فرعون وهامان وجنودهما كانوا خاطئین ۔ وقالت امرات فرعون قرت عین لی ولك لا تقتلوه عسی ان ینفعنا او نتخذه ولدا وهم لا یشعرون ۔ واصبح فؤاد ام موسیٰ فارغا ان كادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها لتكون من المؤمنین ۔ وقالت لاخته قصیه فبصرت به عن جنب وهم لا یشعرون ۔ وحرمنا علیه المراضع من قبل فقالت هل ادلكم علی اهل بیت یكفلونه لكم وهم له ناصحون ۔ فرددناه الی امه كی تقر عینها ولا تحزن ولتعلم ان وعد الله حق ولكن اكثرهم لا یعلمون

(القصص ۳-۱۳)

(ب) اذ اوحینا الی امك ما یوحی ۔ ان اقذفیه فی التابوت فاقذفیه فی الیم فلیلقه الیم بالساحل یاخذه عدو لی وعدو له والقیت علیك محبة منی ولتصنع علی عینی ۔ (طٰہٰ ۳۸-۳۹)

ترجمہ (الف) ہم تجھے موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ ٹھیک سناتے ہیں تا ایماندار لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ فرعون نے ملک میں تکبر کی راہ سے فساد پیدا کیا اور باشندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنے کے لئے ان کے پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کرا دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ وہ خطرناک مفسدوں میں سے تھا ہم نے ارادہ فرمایا کہ اس ملک میں کمزور کئے

جانے والوں پر احسان کریں اور انہیں روحانی امام اور ملکی حکمران بنا دیں۔ اور انہیں ملک میں طاقت بخش کر فرعون، ہامان اور اس کے لشکروں کے سامنے وہ حالت پیدا کر دیں جس سے بچنے کے لئے وہ یہ ظالمانہ رویہ اختیار کر رہے تھے۔ ہم نے موسیٰؑ کی والدہ پر وحی نازل کی اور کہا کہ تو اس بچے کو دودھ پلاتی رہ جب تجھے اس کے زندہ رہنے کے بارے میں ڈر پیدا ہو تو اسے دریا میں بہا دیجیو اور کسی قسم کا خوف و غم نہ کرنا۔ ہم اسے تیرے پاس واپس لانے والے ہیں اور اسے آئندہ برگزیدہ رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔ پھر یوں ہوا کہ فرعون کی آل (بیٹی) نے اسے دریا کے کنارے سے اٹھا لیا انجام یہ تھا۔ کہ وہ ان کا دشمن ہوگا۔ اور موجب رنج بنے گا۔ کیونکہ درحقیقت فرعون ہامان اور ان کے لشکر سخت گنہگار تھے۔ فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا اسے قتل نہ کرو۔ شاید یہ ہمارے لئے نفع مند ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں انہیں انجام کا پتہ نہ تھا۔ بچہ کو دریا میں ڈال کر موسیٰؑ کی والدہ کا دل مطمئن تھا اور ہر غم سے آزاد۔ اور قریب تھا کہ وہ اس امر کا اظہار کر دیتی مگر ہم نے اس کے دل کو روکے رکھا۔ یہ سب ماجرا اسے زمرۂ مومنین میں شامل کرنے کے لئے تھا۔ اس نے موسیٰؑ کی بہن سے کہا تو اسے دیکھتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے جا۔ چنانچہ وہ دور سے بچے کو دیکھ رہی تھی ان لوگوں کو علم نہ تھا۔ ہم نے پہلے سے ہی موسیٰؑ کے لئے اور عورتوں کے دودھ کو ناموافق بنا دیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن نے آگے بڑھ کر کہا کہ کیا میں آپ لوگوں کو اس گھرانے کی نشان دہی نہ کروں جو بڑی خیر خواہی سے اس بچے کی پرورش کے کفیل بن سکیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہم اس طرح موسیٰؑ کو پھر اس کی ماں کے پاس لے آئے تا اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ اور اسے کسی قسم کا غم نہ ہو اور اسے پختہ یقین ہو کہ خدا تعالےٰ کا مکمل وعدہ برحق ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

(ب) "اے موسیٰؑ وہ وقت یاد کر جب ہم نے تیری والدہ پر نہایت شاندار وحی نازل کی تھی۔ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا کے سپرد کر دینا پھر دریا ہمارے حکم سے اسے کنارے پر ایسی جگہ لگا دیگا کہ وہاں سے میرا اور موسیٰ کا دشمن اسے اٹھائے گا۔ میں نے تجھ پر اپنے پیار کی چادر اوڑھا دی تھی۔ تا تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے اچھی طرح ہو سکے۔"

بائیبل اور قرآن مجید کے ان بیانات پر نظر کرنے سے ساتؔ باتوں میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اور اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو ہر پہلو سے قرآن کریم کا بیان نہایت شاندار، واقعات و فطرت کے مطابق اور حضرت موسیٰ اور ان کے خاندان کی شان کو بلند کرنے والا ہے۔

۱۔ بائیبل نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو ایک عام عورت قرار دیا ہے۔ مگر قرآن کریم سے روسے وہ نہایت پارسا اور خدارسیدہ خاتون تھیں جن پر اللہ تعالےٰ کی وحی نازل ہوتی تھی اور وہ اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کی پورے دل سے اطاعت کرتی تھیں چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہم نے اسے وحی و الہام سے آنے والے واقعات سے آگاہ کر کے صحیح طریق عمل بتا دیا تھا۔ وہ خدا کی

باتوں پر یقین سے پُر تھی۔

۲ - بائیبل کی رو سے حضرت موسیٰ کی والدہ یا والدین نے بچہ کو تین ماہ یا کم و بیش عرصہ اس لئے چھپائے کہ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اسی لئے انہوں نے بادشاہ کے حکم کی پرواہ نہ کی تھی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی خوبصورتی کا کوئی سوال نہ تھا ہر بچہ اپنی والدہ کی نظروں میں خوبصورت ہی ہوتا ہے۔ ان کی والدہ نے جو کچھ کیا خدائی ہدایت کی تعمیل میں کیا اللہ تعالےٰ نے ان کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ تم اسے دودھ پلاتی رہو۔ مگر جب خطرہ پیدا ہو تو اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا جائے گویا قرآن مجید کے رو سے اس ضمن میں ابتدائی اور آخری اقدام اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ مگر بائیبل اسے اس طرح دودھ پلانے اور چھپانے کو محض موسیٰؑ کی خوبصورتی پر مبنی قرار دیتی ہے۔

۳ - بائیبل کہتی ہے۔ کہ جب آگے کو چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا" گویا حضرت موسیٰؑ کو دریا میں نہ ڈالا گیا تھا۔ بلکہ دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے مقابل پر قرآنی بیان یہ ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ نے خدائی حکم پر دل کو مضبوط کر کے بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا تھا۔ موسیٰؑ کی بہن اپنی والدہ کے حکم کے مطابق دریا کے کنارے پر ذرا فاصلہ پر اس صندوق کو دیکھتی جا رہی تھی۔ دریا نے حکم الٰہی کے مطابق اس صندوق کو ساحل پر کر دیا تھا جہاں سے آل فرعون نے بچے کو اٹھا لیا۔ گویا قرآن مجید حضرت موسیٰؑ کے دریا میں ڈالے جانے۔ کو صراحت سے بیان کرتا ہے۔ مگر بائیبل اس ذکر سے گریز کر رہی ہے سارے واقعات کے سیاق سباق پر غور کیا جائے۔ تو عقلاً قرآنی بیان کی تصدیق کرنی پڑے گی۔ بلکہ خود حضرت موسیٰؑ کا نام بھی قرآنی بیان کی تصدیق کرتا ہے عبرانی زبان میں "موشہ" (موسیٰؑ) کے معنے ہی یہ ہیں کہ جسے پانی سے نکالا گیا ہو۔ خود تورات میں لکھا ہے۔ کہ فرعون کی بیٹی نے موسیٰؑ کا نام اسی لئے رکھا تھا کہ

"میں نے اسے پانی سے نکالا" (خروج ۲)

اس لئے ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کا بیان ہی درست ہے تورات میں ضرور تحریف ہوئی ہے۔

۴ - بائیبل اور قرآن مجید کے بیانات میں چوتھا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے تعمیل حکم الٰہی کرنے پر ان کے مومنانہ صبر کا بطور تعریف ذکر فرمایا ہے۔ بائیبل اس بارے میں خاموش ہے پھر قرآن مجید کہتا ہے کہ والدۂ موسیٰؑ نے موسیٰ کی بہن کو صندوق کے ساتھ ساتھ پرے ہٹ کر چلتے رہنے کی ہدایت کی تھی۔ اور اس نے اس کی تعمیل کی تھی۔ بائیبل صرف اتنا کہتی ہے "اس کی بہن دور سے کھڑی دیکھتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے" ذرا غور کیجئے کہ دونو بیانوں میں کتنا فرق ہے۔ قرآن مجید کی رو سے ماں کو اللہ تعالےٰ بتا چکا ہے۔ انا رادوہ الیک کہ ہم بچے کو پھر تیرے پاس لوٹائیں گے۔ اس لئے والدۂ موسیٰؑ اس وعدہ کے ظہور کے لئے انسانی تدبیر کے طور پر اختِ موسیٰؑ کو اس صندوق کے ساتھ دور کنارے پر چلتے رہنے کی ہدایت کرتی ہیں۔ اور واقعات نے بتلا دیا کہ یہ تدبیر الٰہی منشاء کے مطابق تھی۔

۵ - اس بارے میں دونوں کتابوں کا ایک ہی بیان ہے کہ اس صندوق کو اٹھانے والی فرعون کی بیٹی تھی۔ قرآن مجید نے اسے آل فرعون بتلایا ہے

اس بچہ کا عبرانی یا اسرائیلی ہونا سب کو معلوم تھا۔ اور یہ بھی سب جانتے تھے۔ کہ بادشاہ کے حکم کے مطابق اسرائیلی لڑکوں کا قتل عام لازمی ہے۔ اب سوال یہ تھا۔ کہ موسیٰؑ اس حکم کے باوجود کس طرح بچ گئے۔ بائیبل میں اس عقدہ کے حل کا کوئی تسلی بخش جواب موجود نہیں البتہ قرآن مجید سے نکلتا ہے۔ کہ فرعون کی لڑکی بچے پر رحم کھا کر اسے گھر لے آئی اور بچہ فرعون تک پہنچا۔ (لیاخذہ عدو لی وعدو لہ) فرعون نے بھی چاہا کہ اس بچہ کو بھی قتل کر دیا جائے۔ مگر اس کی بیوی نے فرعون کو اس بچے کے رکھنے اور اسے بطور بیٹے کے پالنے کے لئے ترغیب دی جیسا کہ اس کے قول قرۃ عین لی ولک لا تقتلوہ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہ ولداً سے صاف ظاہر ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ "قرۃ عین لی ولک" فرعون کو اس کی بیوی ہی کہہ سکتی تھی بیٹی نہ کہہ سکتی تھی۔ اس لئے قرآن مجید نے تصریح کر دی ہے کہ دریا سے تو بچہ کو آل فرعون (فرعون کی بیٹی) نے اٹھایا تھا۔ لیکن بچہ کے بچانے کے لئے فرعون سے منظوری امرأۃ فرعون (فرعون کی بیوی) نے لی تھی۔ (ہم یہ توجیہہ امرأۃ فرعون کے لفظ میں "خاندان فرعون کی ایک عورت" کی وسعت کو مانتے ہوئے کر رہے ہیں) اس نیک دل خاتون کا کا یہ اقدام بھی خدائی منشاء کے مطابق تھا۔ یہ **امرأۃ فرعون** بھی قرآنی بیان کے مطابق ایک صالحہ اور پارسا عورت تھی جو دعا کیا کرتی تھی۔ رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم الظالمین (سورۃ التحریم ۔ ۱۱)

یہ سارا واقعہ کہ حضرت موسیٰؑ کو قتل سے محفوظ رکھ کر فرعون کے گھر میں ان کی پرورش کی جانے کی منظوری فرعون سے لی گئی۔ بائیبل میں نہ اشارۃً اور نہ صراحتاً مذکور ہے۔ لیکن قرآن مجید نے واضح طور پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور عقلاً قرآنی بیان ہی درست اور صحیح ہے کیونکہ فرعون کے حکم سے استثناء کرنے کا کسی اور کو اختیار نہ تھا۔ اور بچہ کا عبرانی ہونا سب پر عیاں تھا۔

۶۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ کہ ایک طرف تو بچہ بڑا پیارا تھا (والقیت علیک محبۃ منی) ہر دیکھنے والے کے دل میں اس کی الفت ابھر آتی تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ حال تھا۔ وحرمنا علیہ المراضع من قبل کہ وہ کسی دودھ پلانے والی کا دودھ نہ پیتے تھے وہ ان کو موافق نہ تھا۔ اب شاہی گھرانے کے لوگ بچہ کو پالنے کا فیصلہ کرنیکے باوجود مشکل میں تھے قرآنی بیان کے مطابق اس موقعہ پر اخت موسیٰؑ نے کہا ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ لکم چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی تربیت کے لئے انہیں اپنی والدہ کے ہی سپرد کر دیا گیا۔

قرآن مجید کے اس بیان کے مقابل بائیبل کہتی ہے کہ فرعون کی بیٹی نے جونہی بچہ کو اٹھایا تو حضرت موسیٰؑ کی بہن نے اسے کہا کہ:۔

"کہئے تو میں جا کے عبرانی عورتوں میں سے
ایک دائی تجھ پاس لے آؤں تاکہ وہ تیرے لئے
اس لڑکے کو دودھ پلائے۔ الخ"

اس وقت کے حالات کے لحاظ سے بائیبل کی بیان کردہ صورت غیر طبعی ہے۔ طبعی اور معقول صورت وہی ہے جسے قرآن مجید نے ذکر فرمایا ہے۔

۷۔ قرآن مجید اور بائیبل کے بیان میں ایک عظیم فرق یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کے رو سے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دن ام موسیٰ علیہا السلام کو وحی کے ذریعہ بتا دیا تھا انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین کہ ہم اس بچہ کو تیرے پاس واپس لائیں گے اور پھر اس کے جوان ہونے

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا عالی مقام

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عاشقانہ کلام

چوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار
عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو وار

آں مقامِ قرب کو دارد بدلدار قدیم
کس نداند شانِ آں از واصلانِ کردگار

آں عناتہا کہ محبوبِ ازل دارد بدو
کس بخوابے ہم ندیدہ مثل آں اندر دیار

سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں
آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار

آں مبارک پے کہ آمد ذاتِ با آیات او
رحمتے زاں ذاتِ عالم پرور و پروردگار

آنکہ دارد قربِ خاص اندر جنابِ پاک حق
آنکہ شانِ او نہ فہمد کس ز خاصان و کبار

احمدِ آخر زماں کو اولین را جائے فخر
آخرین را مقتدا و ملجا و کہف و حصار

ہست درگاہِ بزرگش کشتیٔ عالم پناہ
کس نگردد روزِ محشر جز پناہش رستگار

از ہمہ چیزے فزوں تر در ہمہ نوعِ کمال
آسمانہا پیشِ اوجِ ہمتِ او ذرہ وار

مظہرے نورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل
مطلعِ شمسے کہ بود از ابتدا در استتار

صد بزمِ آسمان و حجۃ اللہ بر زمیں
ذاتِ خالق را نشانے بس بزرگ و استوار

ہر رگ و تارِ وجودش خانۂ یارِ ازل
ہر دم و ہر ذرۂ اش پُر از جمالِ دوستدار

حسنِ روئے او بہ از صد آفتاب و ماہتاب
خاکِ کوئے او بہ از صد نافۂ مشکِ تتار

ہست او از عقل و فکر و وہم مردم دور تر
کے مجالِ فکر تا آں بحرِ ناپیدا کنار

روح او در گفتنِ قولِ بلیٰ اوّل کسے
آدمِ توحید و پیشِ از آدمش پیوندِ یار

جانِ خود دادن پئے خلقِ خدا در فطرتش
جاں نثارِ خستہ جاناں بیدلاں را غمگسار

اندر آں وقتیکہ دنیا پُر ز شرک و کفر بود
ہیچ کس را خوں نشد دل جز دلِ آں شہریار

ہیچ کس از خبثِ شرک در حبسِ بت آگہ نشد
ایں خبر شد جانِ احمد را کہ بود از عشق زار

کس چہ میداند کہ ازاں نالہا با شد خبر
کاں شفیعے کرد از بہرِ جہاں در کنجِ غار

من نمے دانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے
کاندراں غارے در آورد ش حزیں و دلفگار

نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس
نے ز مردن غم نہ خوفِ کشتہ دم و نے بیم مار

کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربانِ جہاں
نے بجسم خویش میلش نے بنفسِ خویش کار

(درثمین فارسی)

بنی اسرائیل کے اسباط عشرہ کی تلاش افغانوں میں

(از جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائل پوری)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت شمالی اور جنوبی حصوں میں بٹ گئی۔ شمال میں رہنے والے بدستور اسرائیلی کہلاتے رہے۔ اور جنوب کے رہنے والے یہودی کہلائے۔ اسرائیل کی راجدھانی سامریہ اور یہود کی راجدھانی یروشلم میں تھی۔ یہ دونوں مملکتیں آپس میں لڑتی رہیں۔ یہاں تک کہ آشوریوں نے ان کی کمزوری کو بھانپ کر ان پر حملے شروع کر دیئے۔ خصوصاً اسرائیلی سلطنت کے لوگ ان کے ہاتھوں تباہ و برباد اور جلا وطن ہوئے۔ یہ جلا وطن قبائل مسوپوٹامیہ میں لا کر بسائے گئے۔ آشوریوں کے بعد بابلیوں نے جنوبی حصہ سلطنت پر ہاتھ صاف کیا۔ بخت نصر بابلی بادشاہ نے یروشلم کو برباد کیا۔ وہ یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔

جب ایران کے بادشاہ سائرس نے بابل فتح کیا تو اس نے بنی اسرائیل کو اپنے وطن میں واپس جانے کی اجازت دی۔ بارہ قبائل میں سے صرف دو قبیلے اپنے وطن میں واپس لوٹے۔ شمالی حصہ سلطنت کے لوگ زیادہ تر اپنے وطن میں واپس نہیں آئے۔ ان کو بائیبل کے محاورہ میں "گم شدہ قبیلے" "جا بجا منتشر لوگ" کہا گیا۔ اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے انہیں اپنی "گمشدہ بھیڑیں" قرار دیا

اسرائیلی اسباط عشرہ فلسطین سے جلاوطنی کے بعد کہاں گئے؟

تاریخ قدیم کا یہ ایک دلچسپ باب ہے مؤرخین قدیم و جدید نے مختلف نسلوں اور قوموں میں ان قبائل کو تلاش کیا اور اس بارہ میں مختلف تاریخی آراء قائم ہوئیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "مسیح ہندوستان میں" میں تاریخی شواہد سے یہ ثابت فرمایا ہے۔ کہ وہ اسرائیلی فرقے جو کہ بادشاہان اشور کے حملوں میں ارض کنعان سے جلاوطن ہوتے ان کا ایک بڑا حصہ ایران سے ہوتا ہوا۔ افغانستان، کشمیر اور شمالی مغربی ہندوستان کے علاقہ میں آباد ہوا یہی وہ فرقے ہیں جن تک پیغام حق کا پہنچانا حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے مشن میں داخل تھا (متی ۱۵/۲۴ ، یوحنا [illegible] ، ۱/۱۴)

آپ نے تاریخی شہادت سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت پہنچا دیا۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اپنی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں مذکورہ بلاد میں آئے اور ان قوموں تک پیغام حق پہنچا کر اپنے فرض رسالت سے سبکدوش ہوئے

آشوری بادشاہوں نے بنی اسرائیل کے اسباط عشرہ کو ان کے وطن سے جلاوطن کر کے آشور (عراق) اور میڈیا (شمالی ایران) میں دھکیل دیا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں شہنشاہ خورس نے جب فارس اور میڈیا کو فارسی تاج کے نیچے یکجا کر لیا اور مشرق میں کابل

۱؎ تاریخ کا مطالعہ از غلام باری صـ ۳۲ ، صـ ۴۳

تک فتوحات حاصل کیں تو بنی اسرائیل کو موقعہ مل گیا کہ وہ فارس کے علاوہ افغانستان کے نواح میں آباد ہوسکیں خورس کے بعد اس کے جانشین دارائے اوّل نے افغانستان کشمیر اور پنجاب کے کچھ حصے بھی فتح کر لئے۔ اس انقلاب میں اسرائیلی اسباط کے قدم مزید مشرق میں آگے بڑھنے لگے۔ اسی طرح بعد کے ہندی یونانی اور سیتھین قبائل کے حملوں میں یہ لوگ برِ عظیم ہند و پاکستان کے شمال مغربی حصہ ملک میں جابجا پھیل گئے۔ اور پورے طور پر بس گئے

صحف بائیبل سے جو کہ اسرائیلی تاریخ کے لئے بہترین سند ہیں۔ اسرائیل کی جلاوطنی کے متعلق مندرجہ ذیل امور ثابت ہیں

۱۔ تورات میں یہ وعید ہے۔ کہ

"میں ان کو دور دور پراگندہ کر دونگا اور
ان کا تذکرہ نوعِ بشر میں سے مٹا ڈالونگا"

(استثناء ۳۲/۲۶)

۲۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں بنی اسرائیل کے اسباطِ عشرہ فلسطین سے جلاوطن ہو کر آشور اور میدیا میں بسائے گئے

(سلاطین دوم ۱۷/۲۲،۶)

۳۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں حزقی ایل نبی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک حصہ اپنے وطن کو واپس لوٹے گا اور دوسرا حصہ جلاوطنی کی سرزمین سے نکل کر کسی اور جگہ چلا جائے گا۔ اور اپنے وطن واپس نہیں لوٹے گا۔ لکھا ہے۔

"خداوند خدا فرماتا ہے۔ میں تم میں سے
ان لوگوں کو جو سرکش اور مجھ سے باغی ہیں
جدا کر دونگا۔ میں ان کو اس ملک سے جس
میں انہوں نے جلاوطنی کے بعد بودوباش کی
نکال لاؤنگا پر وہ اسرائیل کے ملک میں داخل
نہ ہونگے

(حزقی ایل ۲۰/۳۸)

۴۔ یسعیاہ نبی کے صحیفہ کے دوسرے حصہ (۴۰ تا ۶۶ باب) جو کہ تقریباً ۵۴۰ ق م قبل مسیح میں ضبط تحریر میں آیا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل دوسرے ممالک کے علاوہ "ارضِ سینیم" میں بھی آباد ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ایک خادم (مسیح) کے ہاتھ پر یہ لوگ جمع ہونگے (یسعیاہ ۴۹/۱۲،۶)

یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں یعقوب کے قبائل اور "محفوظ اسرائیلیوں" کا الگ الگ ذکر ہے جس سے ظاہر ہے۔ کہ یہود و اسرائیل کے دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک حصہ دور مشرق میں بس گیا اور یوں وہ بیرا اور دہ طاقتوں اور حکومتوں کی دست برد سے محفوظ ہو گیا اور دوسرا حصہ غیر قوموں کی غلامی میں تھا۔ عصرِ حاضر کے محققین کے نزدیک "ملک سینیم" سے مراد دور مشرق کے ممالک ہیں۔ مثلاً افغانستان اور چین وغیرہ (ملاحظہ ہو ڈکشنری بائیبل از جان ڈی ڈیوس زیر لفظ سینیم)

صاف ظاہر ہے۔ کہ یسعیاہ ثانی کے زمانہ میں بنی اسرائیل دور مشرق کے ممالک میں پہنچ چکے تھے۔

۵۔ بائیبل کے صحیفہ آستر میں لکھا ہے۔ کہ پانچویں صدی قبل مسیح میں دارائے اوّل کے بعد اخسویرس اس کا جانشین ہوا اس وقت فارسی سلطنت کی حدود ہند سے حبش تک وسیع تھیں اور یہود اس میں سب جگہ منتشر تھے فارسی سلطنت کا کوئی بھی صوبہ ایسا نہ تھا اور اس سلطنت کے زیر سایہ کوئی بھی قوم ایسی نہ تھی جن کے درمیان یہود آباد نہ ہوں (آستر ۱/۱ ، ۸/۳)

ہارپرز بائیبل ڈکشنری میں "انڈیا" کے نیچے لکھا ہے۔

آستر کی کتاب میں ہندوستان سے مراد
فارسی سلطنت کی مشرقی حد ہے یعنی دریائے
سندھ تک کا علاقہ جو کہ دارا نے فتح کر کے
فارسی سلطنت میں شامل کر دیا۔ بائیبل سے
معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ہندوستان
سے ارضِ کنعان میں تجارتی قافلوں کی آمد و رفت

جاری تھی۔ جو کہ مختلف پیپرز فلسطین کی منڈیوں میں لایا کرتے تھے۔ (تحفۃ الاسلام ۲۷/۱۵، ۱۹، ۲۴۲)

پادری ولیم۔ جی۔ بلیکی تاریخ بائیبل میں لکھتے ہیں۔

آستر کی کتاب سے یہ بات خوب روشن ہو جاتی ہے۔ کہ یہودیوں کی جو فارسی سلطنت میں پھیلے ہوئے تھے۔ کیا حالت تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل عموماً یہودی کہلانے لگ گئے تھے (آستر ۲)

اور یہ بھی لکھتے ہیں

"کہ اب وہ فارس کی سلطنت کے ایک سو ستائیس صوبوں میں یعنی دریائے سندھ سے ایتھوپیا تک جابجا پھیل گئے تھے۔" (آستر ۱)

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ افغان بنی اسرائیل کی اولاد ہیں (تاریخ بائیبل اردو ترجمہ ۱۸۷۵ء صفحہ ۵۴)

اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ پانچویں صدی قبل مسیح میں یہود مختلف ممالک کے علاوہ ہندوستان قدیم کے شمال مغربی علاقہ میں جو کہ فارسی سلطنت کا جزو تھا آباد تھے۔

۶۔ بائیبل کے "اپاکرفا" میں صحیفہ "عزوراس" شامل ہے اس میں لکھا ہے۔

"اسرائیل کے اسباط عشرہ کو شاہ اشور سلمانزر غلام بنا کر لے گیا۔ اس نے ان کو دریائے فرات کے پار لے جا کر بسا دیا۔ بنی اسرائیل کے ان دس قبائل نے آپس میں یہ مشورہ کیا۔ کہ غیر قوم کے ملک کو چھوڑ کر وہ کسی اگلے ملک میں چلے جائیں۔ ایسی جگہ جو کہ انسانی آبادی سے خالی ہو۔ تاکہ وہاں وہ اپنی ان روایات کو زندہ رکھ سکیں جن کو وہ جلاوطنی میں قائم نہ رکھ سکے اس فیصلہ کے بعد یہ قبائل عازم سفر ہوئے۔۔ ۔۔۔۔ ڈیڑھ سال کے سفر کے بعد "سرزمین ارسارۃ" میں پہنچے۔ جہاں کہ وہ بس گئے

(عزوراس دوم باب ۱۳)

محققین کے نزدیک ارسارۃ سے مراد "ارشاہ" ہے جو موجودہ ضلع ہزارہ اور کشمیر کے کچھ علاقہ کا قدیم نام ہے ارشا کا صدر مقام جنرل کننگھم کے "جغرافیہ قدیم" کی رو سے مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے درمیان کہیں پر واقع تھا صفحہ ۱۰۳ میجر ایچ ڈبلیو اپنی کتاب "دی ریسز آف افغانستان" میں لکھتے ہیں

"اس قوم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ۔۔ ۔۔۔۔ افغان نسل کے لوگ ملک شام سے آئے ہیں بخت نصر نے انہیں قید کیا اور پرشیا اور میڈیا کے علاقوں میں انہیں آباد کیا۔ ان مقامات سے کسی بعد کے زمانہ میں مشرق کی طرف نکل کر غور (افغانستان کے پہاڑی ملک) میں جا بسے جہاں یہ لوگ ہمسایہ قوموں میں "بنی افغان" اور بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس کے ثبوت میں عزرا نبی کی کتاب کی یہ شہادت موجود ہے کہ بنی اسرائیل کی دس قومیں جو اسیری میں گئیں قید سے بھاگ کر ملک ارسارۃ میں پناہ گزین ہوئیں اور یہ اس علاقہ کا نام معلوم ہوتا ہے۔ جسے آجکل ہزارہ کہتے ہیں"۔ صفحہ ۱۵

بائیبل اور اس کے لٹریچر کی شہادت سے یہ امر ظاہر ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے اسباط عشرہ جلاوطنی کے بعد مشرقی ممالک میں اور خصوصاً قدیم ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں آباد ہوئے۔

(باقی آئندہ)

ضبطِ تولید اور پاکستان

حکیم عطاء الرحمٰن صاحب وائس پرنسپل جامعہ طبیہ شرقیہ ۔ کراچی

پاکستان کی حکومت ملک میں موجودہ شرح پیدائش سے سراسیمہ ہو رہی ہے اور ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھ کر ہراساں ہے۔ یقیناً ملک کی معاشی حالت ایسی نہیں ہے جو موجودہ آبادی کی کفیل ہو سکے اور بڑھتی ہوئی آبادی کی کفالت تو اور بھی دشوار ہو گی چنانچہ سال کے بجٹ میں ۵ لاکھ روپے اس غرض کے لیے رکھے گئے ہیں کہ ملک کے باشندوں کو ضبطِ تولید کی تعلیم دی جائے اور وہ ترکیبیں سکھلائی جائیں۔ جن کے اختیار کرنے سے شرح پیدائش کو کم کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے ملک کے اربابِ اختیار اگرچہ ایک اسلامی حکومت کے ذمہ دار رکن ہیں لیکن وہ اسلام کی روحانی تعلیمات و اعتقادات کی طرف توجہ دینے کے بجائے اپنی تمام پالیسیوں کی بنا مغرب کی مادی اور نفس پرستانہ تہذیب و نظریات پر رکھتے ہیں ان کے نزدیک شاید وہ اسلام جو چودہ صدی سے چلا آ رہا ہے۔ سراسر گمراہی یا نادانی پر مبنی تھا۔ یا اب تک خود ان لوگوں کے سوا کسی نے اسے سمجھا نہیں۔ مغربی تعلیمات کی روشنی میں اب سمجھ میں آ رہا ہے۔ اور یورپ کے سائنس دان اب اس کی صحیح تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ پرانے لوگ جو اس سائنس سے واقف نہیں تھے۔ وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے اسلام کو نہیں سمجھ سکے۔ اسلام کو اہلِ یورپ کی مدد سے انہوں نے سمجھا ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ مغرب کے پروپگنڈے سے بری طرح متاثر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ روزی کی تنگی و فراخی ضبطِ تولید اور عدمِ ضبطِ تولید پر مبنی ہے۔ یہ تو ضرور ہے۔ کہ دنیا آجکل جن حالات سے گزر رہی ہے۔ وہ صرف انسان کے پیدا کردہ ہیں۔ اور معاشی تنگی بھی خود ہماری آوردہ ہے۔ اور ہم اسے دور بھی کر سکتے ہیں اور وہ اللہ کے بنائے طریقوں سے بھی دور ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ضبطِ تولید کی ضرورت نہیں اگر عمل درست ہو جائے تو سارے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ دنیاوی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو اللہ کے بتائے راستہ پر چل کر ان سے مقابلہ کرنے کا جو بالکل طبعی اور فطری ہے۔ اور دوسرا طریقہ اپنی خود رائے سے دوچار ہونے کا ہے۔ یہ طریقہ غیر فطری ہے۔ انسان کے لئے سب سے بڑی چیز طمانیت قلب ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنے اختراع کیے ہوئے طریقوں سے طمانیت قلب حاصل کرنے کی جتنی کوشش کر رہا ہے۔ اسی قدر اس دولتِ عظمیٰ سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ طمانیت قلب ان اخلاقی ضوابط و اعمال میں پوشیدہ ہے۔ جن کی تعلیم خود انسان کو پیدا کرنے والی ہستی نے دی ہے۔ طبعی راستہ وہی ہے جو اللہ نے دکھلایا ہے۔ مصنوعی طور پر ضبطِ تولید فطری اخلاق کے احکام کے منافی ہے۔

ضبطِ تولید پر عمل کرنے والا محض شہوت کی تسکین کے لئے شہوت رانی کرتا ہے۔ اور یہ بات انسان کے

مرتبہ سے پست ہے۔ انسان علم الحیوانات کے اصول کا غلام نہیں ہے۔ ایسے بہت سے حالات ہیں جو انسانی آبادی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں برازیل کے ایک ماہر معاشیات نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام بھوک کا جغرافیہ —— GEOGRAPHY of HUNGER ہے۔ جس میں انہوں نے سائنٹیفک بنیاد پر ثابت کیا ہے۔ کہ کثرت آبادی افلاس اور روزی کی تنگی کی وجہ نہیں ہے بلکہ افلاس اور روزی کی تنگی کی وجہ سے آبادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ تھامس ڈبل ڈے نے اپنی ایک کتاب میں ایک قانون قدرت کو ثابت کیا ہے۔ اس میں بھی وہ یہی کہتے ہیں۔ کہ ناساعد حالات میں قوت تولید بڑھتی ہے۔ اور مساعد حالات میں گھٹ جاتی ہے۔

لارڈ جان بوئڈ جو اقوام متحدہ میں انجمن غذا اور زراعت کے جنرل ڈائرکٹر تھے اور جن کو ۱۹۴۹ء میں سائنس کی تحقیقات پر نوبل پرائز بھی مل چکا ہے۔ لکھتے ہیں۔ کہ ضبط تولید کا موثر اور کارگر ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ غذا کی اصلاح کی جائے اور انسانوں کے لئے مناسب غذا فراہم کی جائے۔

امریکہ کا ایک مشہور رسالہ "ریجسٹرار" لکھتا ہے کہ "برصغیر ہند میں ایک میل کے اندر اتنے آدمی نہیں بستے ہیں جتنے انگلستان میں بستے ہیں لیکن بات یہ ہے۔ کہ وہاں بہت سی قابل کاشت زمین بیکار پڑی ہے اور جس قدر زمینوں میں کاشت ہوتی ہے۔ اس میں بھی اوسط کے مطابق اناج نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں فن زراعت کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کی جاتی"

ان حقائق سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ پیداوار کو ترقی دینا مسئلہ کا صحیح حل ہے۔ اس سے ضبط تولید کا مقصد بھی حاصل ہوگا۔ اور غذا میں بھی فراوانی ہوگی زراعت کی ترقی کے وسائل سے کنزا کر اور اسمگلنگ کے پورے طور پر انسداد سے کنارا کرکے مصنوعی طور پر آبادی کو گھٹانا ایک ایسی حرکت ہوگی جس سے باشندگان ملک کا اخلاق جو پہلے ہی انحطاط پذیر ہے۔ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ اور سارا ملک بداخلاقی اور فتنہ و فساد کی آگ سے جل اٹھیگا۔

ضبط تولید کی تعلیم کا نئی نسل پر تباہ کن اثر ہوگا۔ ہمارا ملک یورپ کی تہذیب کے زیر اثر پہلے ہی جنسی کج روی میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے ضبط تولید کا لازماً غلط استعمال کیا جائے گا۔ روزے سے بھی نفس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اور اگر زوجین میں سچی محبت ہو تو وہ ضرورت کے مواقع پر اپنے جذبات کو دائرہ اختیار سے باہر نہیں ہونے دیتے۔

ضبط تولید کے طریقے طبی نقطہ نظر سے بھی مضر ہیں۔ فریق ثانی کو ان ہارمونوں کے انجذاب سے باز رکھنا جو اس کی صحت کے لئے ضروری ہیں نظام اعصاب پر سخت مضر اثر ڈالتا ہے۔ اور وہ عورتیں جو ضبط تولید کے جدید طریقوں پر عمل کرتی ہیں عام طور پر ضعف اعصاب اور خلل دماغ کی شکایات میں مبتلا رہتی ہیں۔

لندن اسکول میڈیسن کے پروفیسر میڈیکل مِڈسے کا خیال ہے کہ مانع حمل طریقوں سے خلل اعصاب کی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ عورتوں میں مادری جذبہ جنسی جذبہ سے تیز تر ہوتا ہے۔ خواہ وہ جنسی جذبہ پیدا ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد رونما ہو۔ مادری جذبہ کو غیر فطری طور پر دبانا تجرد کی زندگی گزارنے سے بھی زیادہ مضر صحت ہے۔

ڈیم میری شارلیب لکھتی ہیں "کہ میں اپنے چالیس سالہ تجربے کی بنا پر وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ خاندان کو مصنوعی طور پر محدود رکھنے کی کوشش نظام عصبی کے لئے مضرت رساں ہے۔ ان غیر فطری طریقوں کو اختیار کر لینے کے بعد پھر ان کو ترک کرکے اگر استقرار حمل کی کوشش کی جائے تو اکثر ناکامی ہوتی ہے کیونکہ ان تدابیر سے رحم

کی قوت منتشر و زائل ہو جاتی ہے۔ ایسی عورتوں کی عمومی صحت بھی گر جاتی ہے۔ اور وہ مضطرب الحال رہنے لگتی ہے۔ اور ان عورتوں کے مقابلہ میں جو ازدواجی زندگی کو طبعی طور پر گزارتی ہیں۔ ایسی عورتوں کی صحت خراب رہتی ہے تندرست عورتوں کی صحت میں بار بار کے حمل سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی بلکہ حمل سے صحت قائم رہتی ہے۔

مذکورہ بالا حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ مصنوعی ضبط تولید طبی، سماجی اور اخلاقی اعتبار سے غلط ہے۔ وہ ممالک بھی جہاں ایک عرصہ سے ضبط تولید کی تحریک چلائی جا رہی ہے غریب عوام کو مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کی طرف مائل نہیں کر سکتے۔ اور ضبط تولید کے نظریہ نے صرف خوشحال طبقہ میں مقبولیت حاصل کی ہے۔ ایسی صورت میں ہم کیسے امید کر سکتے ہیں۔ کہ ہمارے ملک کے غریب عوام ضبط تولید کی مہم کے ساتھ تعاون کریں گے۔ حالانکہ خاندان کی منصوبہ بندی کی ضرورت غریب عوام ہی کو زیادہ ہے۔ پھر اگر اس منصوبہ بندی پہ پورے طور پر عمل بھی ہوا، جو بظاہر تو ناممکن معلوم ہوتا ہے تو کہیں نصف یا ربع صدی بعد کچھ نتیجہ نکلے گا اور غذائی مشکلات کے حل کا اتنی مدت انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے۔ کہ خاندانی منصوبہ بندی پہ تکیہ کرنے کے بجائے غذائی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش پہ پوری قوت صرف کی جائے۔ (ماخوذ از اخبار "الطب" کراچی)

ﻫ۔ اور اب بات آگیا ہے گویا تسلیم کر لیا کہ بہائیت بھی ہوئی عیسائیت ہے
بہائی: ایسا لکھا تو ہے مگر ہم بہاء اللہ کو رسولوں میں سے ہی مانتے ہیں اس بحث کی کیا ضرورت ہے۔ **احمدی**: بہت اچھا بات تو بالکل واضح ہے بحث کا سوال نہیں سوال دراصل حقیقت کا ہے آپ علیحدگی میں بھی غور کریں کہ عیسائیوں کے عقیدہ درباره مسیح اور

(بقیہ از صفحہ ۲۳) فرق نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح عیسائی حضرت مسیح کو خدا مانتے ہیں۔ انبیاء اور مرسلین کے زمرہ میں نہیں سمجھتے۔ اسی طرح بہائی لوگ بہاء اللہ کو خدا مانتے ہیں۔ انبیاء اور مرسلین کے زمرہ میں نہیں سمجھتے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ عیسائیوں اور بہائیوں کے عقیدہ میں کیا فرق ہے؟

بہائی: آپ کی لمبی تقریر کا مختصر جواب یہ ہے۔ کہ ہمارے ہاں حدیثوں کا کوئی وجود نہیں۔ ہم بہاء اللہ کے ہر قول و تحریر کو وحی مانتے ہیں مگر ہم انہیں خدا نہیں مظہر اللہ کہتے ہیں۔ اسے رسولوں کی طرح رسول مانتے ہیں۔

احمدی: سوال یہ نہیں کہ آپ عوام مسلمانوں کے سامنے کیا کہتے ہیں کیونکہ وہ تو جس طرح آپ اپنی شریعت "اقدس" کو چھپاتے ہیں اور شائع نہیں کرتے۔ اسی طرح آپ اپنا حقیقی عقیدہ درباره الوہیت بہاء اللہ عوام سے چھپاتے ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ آپ یہ بتائیں کہ عیسائیوں کے عقیدہ اور آپ لوگوں کے عقیدہ میں فرق کیا ہے؟

بہائی: "اقدس" کو ہم نہیں چھپاتے مگر آپ نے شائع کر ہی دیا ہے۔ وہ درست ہے وہی کافی ہے۔ ہم بہاء اللہ کو رسول کی طرح مانتے ہیں اور وہی درجہ دیتے ہیں جو رسولوں کا ہوتا ہے۔

احمدی: یہ بات درست نہیں کہ آپ بہاء اللہ کو رسولوں کی طرح مانتے ہیں۔ اچھا آپ بتائیں جس طرح آپ لوگ بہاء اللہ کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور اسے نماز میں قبلہ قرار دیتے ہیں اور کس رسول کی قبر پر آپ سجدہ کرتے اور اسے قبلہ گردانتے ہیں؟

بہائی: یہ سوال علیحدہ ہے اس سے رسول ماننے میں کیا فرق پڑتا ہے۔

احمدی: آپ کو معلوم ہے کہ بہاء اللہ نے خود تسلیم کیا ہے کہ نام خط میں جسے آپ لوگ "لوح پوپ" کہتے ہیں لکھا ہے کہ پہلے بیٹا آیا اب

ایک بہائی سے مکالمہ

بہائی بہاءاللہ کو اسیطرح خدا مانتے ہیں جسطرح عیسائی حضرت مسیحؑ کو

چند روز ہوئے کہ مہمان خانہ میں ایک بہائی مبلغ آیا ہوا تھا۔ ایک دوست نے اس کا ذکر کیا۔ رمضان اور درس قرآن مجید کے باعث زیادہ وقت نہ تھا۔ قریباً چالیس منٹ تک ان سے ملاقات ہوئی۔ اس دلچسپ گفتگو کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

احمدی:۔ کیا کوئی ایسی اچھی تعلیم یا حکم بتایا جا سکتا ہے۔ جو اسلامی تعلیم یا شریعت میں موجود نہ ہو۔ اور بہائیت نے پیش کیا ہو؟

بہائی:۔ کیا آپ یہودیوں یا عیسائیوں کے ایسے مطالبہ پر اسلام کی کوئی ایسی تعلیم پیش کر سکتے ہیں۔

احمدی:۔ اسلام نے ایسی متعدد نئی اور مفید تعلیمات پیش کیں ہیں۔ جو اسلام سے پہلے موجود نہ تھیں۔

بہائی:۔ اسوقت آپ بطور نمونہ ایک بات پیش کریں۔

احمدی:۔ پہلی کتب میں قومی نقطہ نظر پایا جاتا ہے اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے ایک رب العالمین کیطرف سے عالمگیر شریعت پیش کرنے کا دعویٰ کیا۔ جو سب قوموں اور سب انسانوں کیلئے ہے۔ اور جس میں سب بنی نوع انسان کی مساوات کی تعلیم دی گئی ہے۔

بہائی:۔ قرآن مجید میں آتا ہے کل مومن اخوۃ اور بہائیوں کے ہاں لکھا ہے۔ کہ وہ قابل فخر نہیں جو وطن سے محبت کرے سب انسانوں سے محبت کرنی چاہیئے

احمدی:۔ قرآن مجید میں یہ کوئی آیت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں "انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم" آیا ہے۔ قرآن مجید نے "یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی" کہہ کر تمام انسانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ آپ نے کوئی نئی تعلیم تو پیش نہیں کی۔ انسانوں سے محبت کا مضمون تو بہتر رنگ میں پہلے سے قرآنی شریعت میں موجود ہے۔

بہائی:۔ ہمارے دین میں کسی دوسرے سے تعصب رکھنا منع ہے۔

احمدی:۔ کیا آپ کے دین کی رو سے ایمان اور کفر نیز مومن اور کافر الگ الگ نہیں اور کیا کفر سے جو ایک بیماری اور گند ہے نفرت کرنے کا ارشاد نہیں؟ بلاشبہ بیمار سے ہمدردی ہوگی۔ مگر بیماری سے محبت نہیں کی جا سکتی۔

بہائی:۔ ہاں کفر اور ایمان الگ الگ ضرور ہیں لیکن بہائی ہو کر دل سے تعصب نکل جاتا ہے۔

احمدی:۔ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں بہائی اور بابی لڑتے رہتے ہیں۔ بلکہ بہائی بہائی خود مختلف ہیں اور جھگڑتے ہیں۔ دیگر مذاہب سے تعصب تو ظاہر و باہر ہے۔ تعصب کے معنے اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم ہونے اور دوسروں کو اپنے عقیدہ کی طرف دعوت دینے کے ہیں تو یہ کوئی بری بات نہیں۔ ہاں بے جا ضد اور دوسروں سے نفرت ناپسندیدہ ہے۔ اسلام بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ "لایجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی" میں صاف حکم دیا گیا ہے۔ کہ خواہ تمہارا دشمن ہی

کیوں نہ ہو۔ تم سے بغض ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ لوگوں سے عدل و انصاف کرو اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔

بہائی:۔ ہمارے ہاں بعض نئے احکام ہیں مگر وقت تنگ ہے۔ اس لئے اس وقت نہیں پھر کسی وقت ان کا ذکر کیا جائے گا۔

احمدی:۔ اچھا آپ ایک سوال کا جواب دے دیں سوال یہ ہے۔ کہ بہائی بہاء اللہ کو کیا مقام دیتے ہیں۔

بہائی:۔ ہم ان کو دوسرے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر مانتے ہیں ان پر خدا کی وحی اترتی تھی

احمدی:۔ کیا یہ درست ہے۔ کہ بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ کی جملہ تحریرات خواہ کتابیں ہوں اور خواہ خطوط وغیرہ سب وحی ہیں؟

بہائی:۔ ہاں ہم ان کی ہر تحریر کو وحی الٰہی مانتے ہیں۔

احمدی:۔ بہاء اللہ کا ہر قول بھی آپ کے نزدیک وحی ہے؟

بہائی:۔ ان کے جتنے اقوال حیطہ تحریر میں آچکے ہیں اور ہم تک پہنچے ہیں سب وحی الٰہی ہیں۔

احمدی: جس طرح مسلمانوں کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ کلام وحی الٰہی کی صورت میں قرآن مجید میں موجود ہے اور اس کے علاوہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی باتیں یا آپ کے خطوط وغیرہ سب علیحدہ طور پر احادیث میں موجود ہیں کیا بہائیوں کے ہاں بھی بہاء اللہ کے بارے میں ایسا کوئی فرق موجود ہے؟

بہائی:۔ ہمارے ہاں ایسا کوئی فرق موجود نہیں ہے ہمارے ہاں بہاء اللہ کے جملہ بیانات تحریر و تقریر۔ وحی کہلاتے ہیں۔ ہمارے ہاں احادیث نہیں۔ ہم اس فرق کو نہیں مانتے

احمدی:۔ کیا سب بہائیوں کا یہی عقیدہ ہے۔

بہائی:۔ سب بہائی یقیناً یہی مانتے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

احمدی:۔ اب بات بالکل واضح ہے۔ آپ مہربانی کرکے میری بات کو پوری توجہ سے سنیں۔ اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

ہم سے پہلے اہل کتاب کے دو گروہ ہیں۔ یہودی اور عیسائی۔ یہودی اپنے بانی مذہب اور مصلحین کو نبی، رسول اور پیغمبر مانتے ہیں۔ اور عیسائی حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اس عقیدہ کا ظاہری اثر یہ ہے۔ کہ یہودی چونکہ اپنے انبیاء کو انسان سمجھتے ہیں اور ان پر خدا تعالیٰ کے کلام کا نزول مانتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں وحی الٰہی والے صحیفے الگ ہیں اور نبیوں کی اپنی باتیں علیحدہ ہیں۔ **تورات** کو وحی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اور **طالمود** کو حدیث کی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ یہود کے برعکس عیسائیوں کا حضرت مسیح کے بارے میں یہ اعتقاد ہے۔ کہ وہ خود خدا تھے۔ اس لئے عیسائیوں کے ہاں حضرت مسیح پر نازل شدہ و[illegible] اور حضرت مسیح کا اپنا کلام الگ الگ موجود نہیں۔ وہ حضرت مسیح کے ہر کلام کو وحی الٰہی مانتے ہیں **اسیطرح** یہود و نصاریٰ کے بعد مسلمان اور بہائی ہیں مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اور سب رسولوں کا سردار مانتے ہیں۔ مگر انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ اس لئے ان کے ہاں قرآن مجید الگ ہے۔ جو وحی ربانی پر مشتمل ہے۔ اور احادیث نبوی علیحدہ ہیں۔ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہیں مگر ان کے مقابل پر بہائی لوگ بہاء اللہ کے ہر قول و فعل کو وحی مانتے ہیں۔ گویا بہائی اپنے پیشوا کو وہی پوزیشن اور وہی حیثیت دیتے ہیں جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیتے ہیں۔ ان میں سر مو

بقیہ صفحہ ۴۲

قربانیوں کی عید

رقم فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز

ذیل کا قیمتی مضمون رسالہ "نیرنگ خیال" لاہور میں ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا۔ الفضل ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء میں اسے نقل کیا گیا جہاں سے اخذ کر کے ہم شائع کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

جسے لوگ عام طور پر عید الضحیٰ کہتے ہیں۔ اس کا اصل نام عید الاضحیٰ یا عید الاضاحی ہے یعنی قربانیوں کی عید جس طرح اس عید کا غلط نام لوگوں میں مشہور ہے۔ اسی طرح اس عید کا مقصد بھی لوگ غلط سمجھتے ہیں۔

اس عید کے متعلق حکم ہے۔ کہ عید الفطر کی نسبت جلدی پڑھی جائے۔ یعنی ابھی سورج نیزہ بھر اونچا ہوا ہو۔ تو اس کی نماز شروع ہو جانی چاہئے۔ احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ نے بریدہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عید کے دن نماز اور خطبہ سے فارغ ہو کر ناشتہ تناول فرماتے تھے۔ اور امام احمد کی روایت میں یہ امر زائد ہے۔ کہ کھاتے بھی قربانی کے گوشت سے تھے

یہ عید حج کے دوسرے دن ہوتی ہے اور بہت سے مسلمان آج کل اس کی حقیقت صرف اس قدر سمجھتے ہیں کہ قربانیاں کیں اور خوب گوشت کھایا۔ حالانکہ یہ عید اپنے اندر ایک بہت بڑا سبق رکھتی ہے۔ اور ایک اہم تاریخی واقعہ کی یادگار ہے۔ جسے میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

ہزارہا سال گزرے بلکہ نہیں کہہ سکتے کہ تاریخی زمانہ سے بھی پہلے کسی وقت ایک بے برگ و گیاہ جنگل میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں اسی کے حکم سے ایک معبد بنایا گیا تھا۔ اس کے بنانے والے کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ کون تھا لیکن یہ امر یقینی ہے کہ وہ معبد قومی اور ملی ہونے کے لحاظ سے دنیا میں سب سے پہلا معبد تھا۔ کچھ عرصہ تک لوگ اس معبد میں خدا تعالیٰ کا نام لیتے رہے۔ لیکن نامعلوم کہ کیا تغیرات ہوئے کہ وہ جگہ ویران ہو گئی۔ اور عبادت کرنے والے لوگ پراگندہ ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ کو یہ جگہ پیاری تھی۔ پس اس نے ارادہ کیا۔ کہ اسے پھر سے آباد کرے اور ہمیشہ کے لئے دنیا کی ہدایت کا مرکز بنائے

اللہ تعالیٰ کے علم سے کونسی چیز مخفی ہو سکتی ہے اس نے اس جگہ کی آبادی کے لئے ایک ایسا مصفّٰی انسان چنا جس کی اولاد نے اپنی نورانی شعاعوں سے آج تک دنیا کو روشن کر رکھا ہے۔ یہ شخص ایک بت پرست بلکہ بت ساز گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور عراق کے شہر اُور کسدیم کا رہنے والا تھا۔ اس کے خاندان کے لوگوں کا گزارہ ہی بتوں کے چڑھاووں اور بت فروشی پر تھا۔ والد بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور چچا کی آغوش میں پلا تھا جس نے اس کے ہوش سنبھالتے ہی اپنے بیٹوں کے ساتھ اسے بھی بت فروشی کے کام پر لگا دیا۔ حقیقت سے ناآشنا چچا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس دل کو خالق کون و مکان چن چکا ہے۔ اس میں بتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

پہلے ہی دن ایک امیر گاہک جو اپنی عمر کی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اور تھا بھی مالدار بت خریدنے کے لئے آیا۔ بت فروش چچا کے بیٹے خوش ہوئے کہ آج ابھی

قیمت پر سودا ہوگا۔ بوڑھے امیر نے ایک اچھا سا بت چنا اور قیمت دینے ہی لگا تھا کہ اس بچہ کی توجہ اس گاہک کی طرف ہوئی اور اس سے سوال کیا کہ میاں بوڑھے تم تبر میں پاؤں لٹکائے ہو۔ تم اس چیز کو کیا کرو گے۔ اس نے جواب دیا کہ گھر لے جاؤنگا اور ایک صاف اور مطہر جگہ میں رکھ کر اس کی عبادت کرونگا۔ یہ سعید بچہ اس خیال پر اپنے جذبات کو روک نہ سکا اور پوچھا تمہاری عمر کیا ہوگی اس نے اپنی عمر بتائی اور اس بچہ نے نہایت حقارت آمیز ہنسی ہنس کر کہا کہ تم اتنے بڑے ہو۔ اور یہ بت تو ابھی چند دن ہوئے میرے چچا نے بنوایا ہے۔ کیا تمہیں اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے شرم نہ آئے گی؟ نہ معلوم اس بوڑھے کے دل پر توحید کی کوئی چنگاری گری یا نہ گری لیکن اس وقت اس بت کا خریدنا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ اور وہ بت وہیں پھینک کر واپس چلا گیا۔ اس طرح ایک اچھے گاہک کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بھائی سخت ناراض ہوئے۔ اور اپنے باپ کو اطلاع دی۔ جس نے اس بچہ کی خوب خبر لی۔ یہ پہلی تکلیف تھی۔ جو اس پاک باز ہستی نے توحید کے لئے اٹھائی۔ مگر باوجود چھوٹی عمر اور کم سنی کے زمانہ کے یہ سزا جوش توحید کو سرد کرنے کی بجائے اسے اور بھی بھڑکانے کا موجب ہوئی۔ سزا نے فکر کا دروازہ کھولا اور فکر نے عرفان کی کھڑکیاں کھول دیں۔ یہاں تک کہ بچپن کی طبعی سعادت جوانی کا پختہ عقیدہ بن گئی۔ اور آخر اللہ تعالیٰ کا نور ذہنی نور پر گر کر الہامی روشنی پیدا کرنے کا موجب ہو گیا۔ اس نوجوان کا نام ابرام تھا۔ جو بعد میں ابراہام یا ابراہیم بن گیا۔

جب خاندان کے لوگ اس کی توحید کی تعلیم سے تنگ آ گئے تو انہوں نے اسے مشرک حکومت کے سامنے پیش کیا۔ اور حکومت اور امراء نے طرح طرح کے ظلم اس پر توڑے۔ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے پیارے وطن کو خیرباد کہہ کر کنعان کی سرزمین میں جو اس وقت فلسطین کا حصہ ہے آکر آباد ہونا پڑا یہاں بھی تبلیغ توحید کا سلسلہ جاری رہا لیکن ابھی تک یہ مقصد ظاہر نہ ہوا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کیوں اور کس غرض سے اس دور دراز ملک میں لایا ہے۔

حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی سارہؓ بھی جو اس وقت سری کہلاتی تھی۔ جس طرح ان کے خاوند اس وقت تک ابرام کہلاتے تھے۔ عرصہ تک اس ملک میں رہے۔ لیکن ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی نہ بیٹا نہ بیٹی۔ آخر "سری" نے ابراہیم سے کہا کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس لونڈی کو جو مصر کے بادشاہ نے ہماری خدمت کے لئے دی ہے۔ تو اپنی بیوی بنا شاید اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اولاد عطا فرمائے۔ یہ نیک اور پاکباز عورت جسے "سری" نے لونڈی کہا درحقیقت شاہ مصر کے خاندان کی ایک لڑکی تھی اور اس نے ابراہیم کی معجزانہ طاقتوں کو دیکھ کر ان کی دعاؤں کے حصول کی غرض سے ان کی خدمت کی غرض سے اسے ساتھ کر دیا تھا۔ اور اس کا نام ہاجرہؓ تھا۔ ابرام نے اپنی بیوی کی اس بات کو قبول کر کے ہاجرہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور خدا تعالیٰ نے بڑھاپے میں ابرام کو ایک لڑکا دیا۔ جس کا نام اس نے اسمٰعیل رکھا یعنی خدا نے ہماری دعا سن لی۔ اس بیٹے کی پیدائش پر خدا تعالیٰ نے ابرام کا نام ابراہام کر دیا کیونکہ اسے نسل کی فراوانی اور آسمانی برکت کا وعدہ دیا گیا تھا۔ ابراہام کا تلفظ عربی زبان میں ابراہیم ہے۔ اس وجہ سے عبرانی لوگ انہیں ابراہام اور عرب ابراہیم کہتے ہیں

"سری" جس نے خوشی سے ابراہیمؑ کو ہاجرہ کے بیوی بنانے کا مشورہ دیا تھا ہاجرہؓ کے بچہ جننے پر کچھ دلگیر ہوئی اور اس نے ہاجرہؓ اور اس کے بچہ کو تکلیفیں دینا شروع کر دیں ابراہیم کے دل پر قدرتاً اس کا تکلیف دہ اثر ہوا

لیکن بیوی کی سابقہ خدمات اور اخلاص کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ کچھ کہہ نہ سکے۔ بلکہ کہا تو یہی کہ ہاجرہؓ تمہاری لونڈی ہے۔ تم جس طرح چاہو اس سے سلوک کرو۔ آہ! ابراہیم کو کیا معلوم تھا کہ یہ سب سامان کسی اور ہی غرض کے لئے ہیں اور یہ سب واقعات ابراہیم کے ترکِ وطن کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں

ان ہی ایام میں جب اسمٰعیل کچھ بڑے ہو گئے تھے۔ اور اپنے والد کے ساتھ دوڑ دوڑ کر چلا کرتے تھے۔ ابراہیم نے ایک خواب دیکھا۔ جو یہ تھا کہ وہ اسمٰعیل کو خدا تعالےٰ کے لئے قربان کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں انسانوں کی ہی قربانی کا عام رواج تھا۔ اور اسے خدا تعالیٰ کے فضل کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا ابراہیم نے بھی خیال کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ میرے اخلاص کا امتحان لیتا ہے۔ اور جھٹ اپنے بڑھاپے کی اولاد کو قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور بچہ سے محبت کے ساتھ پوچھا کہ تیری مرضی کیا ہے بچہ گو چھوٹا تھا۔ مگر نور نبوّت اس کی پیشانی سے چمک رہا تھا نیک باپ کی تربیت کی وجہ سے گو ابھی مذہب کی باریکیاں نہ سمجھ سکتا ہو لیکن اس قدر جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہیں ٹالنا چاہیے جھٹ پٹ بولا جس طرح چاہو۔ اللہ کے حکم کو پورا کرو۔ باپ نے آنکھوں پر پٹی باندھی اور بیٹے کو ذبح کرنے لگا۔ مگر خواب کا مطلب درحقیقت کچھ اور تھا۔ اور اس کی تعبیر کسی اور طرح ظاہر ہونے والی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے پھر الہام کیا کہ بس اب جانے دے۔ ہم تو اس بچہ کی نسل کے ذریعہ سے انسانوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ تو اسے مارتا ہے۔ تیرا اخلاص ثابت ہو گیا۔ اب اس وقت اس کے بدلہ میں تو صرف ایک بکرا ذبح کر دے۔

کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے "سری" کو بھی ایک بیٹا دیا۔ اور اس کا نام اسحٰقؑ رکھا گیا۔ جس کے معنے ہیں کہ خدا نے اس کے ذریعہ سے ابراہیم کے خاندان کو ہنسایا۔

اسحٰقؑ کی پیدائش پر "سری" کا نام "سرہ" رکھا گیا۔ جسے عربی تلفظ میں سارہؓ کہتے ہیں اور "ہا" اس لئے بڑھائی گئی کہ عبرانی میں یہ ترقی اور برکت کی علامت ہے۔

اسحٰقؑ کی پیدائش کا یہ اثر ہوا۔ کہ سارہؓ۔ ہاجرہؓ اور اسمٰعیل سے اور زیادہ رنجیدہ رہنے لگیں اور آخر وہ وقت بھی آگیا کہ خدا تعالیٰ اس غرض کو پورا کرے۔ جس کے لئے ابراہیم کو کسدنامی قوم کے وطن سے نکال کر فلسطین میں لایا گیا تھا اور اس قربانی کا مطالبہ کرے جس کی خبر ابراہیم کو پہلے رؤیا میں دی گئی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو حکم دیا کہ اپنی بیوی ہاجرہ اور اس کے معصوم بچے اسمٰعیل کو دور جنگل میں فلاں مقام پر جا کر چھوڑ آؤ۔ اب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر کیا تھی۔ جو انہوں نے اسمٰعیل کو ذبح کرنے کے متعلق دیکھی تھی اور وہ اپنی بیوی اور ایک بچہ کو ایک بے آب و گیاہ بیابان میں چھوڑ آنے کے لئے تیار ہو گئے جہاں انہیں چھوڑ کر آنا ظاہری حالات میں قتل کرنے کے مترادف تھا۔ جب اس جگہ پہنچے تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نہ کوئی عمارت تھی۔ نہ آبادی اور نہ پانی۔ نہ کھانے کا کوئی سامان اور پھر لطف یہ کہ سو سو میل تک بھی آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا حکم تھا۔ پس انہیں یقین تھا۔ کہ اس میں سب بہتری ہے اور سمجھتے تھے کہ وہ جو خواب میں نے دیکھا تھا کہ بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہوں۔ وہ درحقیقت یہی قربانی تھی۔ اس طرح ایسے غیر آباد میدان میں جہاں کھانے کو سبزہ تک اور پینے کو کھاری پانی تک نہ تھا۔ بچہ کو چھوڑ کر جانا اسے اپنے ہاتھوں قتل کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر اب وہ حکمت بھی ان پر ظاہر ہو گئی جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے اپنا بچہ یہاں چھوڑ کر جانے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ حکمت اس قدیم معبد کی آبادی تھی جسے خدا تعالےٰ اسمٰعیل اور ان کی اولاد کے ذریعہ دنیا کے فائدہ کے لئے دوبارہ

آباد کرنا چاہتا تھا۔

آخر جدائی کا وقت آگیا۔ ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلا کھجوروں کا پاس رکھ کر حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی اور بچہ کو یقینی موت کے سپرد کرکے واپس چلے مگر بشریت کے تقاضے کے ماتحت کچھ ایسے آثار ظاہر ہوتے کہ گو ہاجرہؓ اس تجویز سے بالکل غافل تھیں۔ ان کے دل میں شک پیدا ہو گیا۔ اور اپنے خاوند کے پیچھے روانہ ہوئیں۔ اور پاس پہنچ کر پوچھا۔ ابراہیمؑ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر جس میں نہ کوئی آدمی ہے نہ کوئی اور چیز کہاں جا رہے ہو؟ جذبات غم کی شدت کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا اور ہاجرہؓ بار بار اس فقرہ کو دہراتی رہیں آخر تنگ آکر ہاجرہؓ نے کہا۔ کیا اللہ نے تم کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ اس پر ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ ہاں۔ حضرت ہاجرہؓ آخر ابراہیمؑ کی بیوی اور اسمٰعیلؑ کی والدہ تھیں اس جواب کے بعد کب شکایت کر سکتی تھیں۔ جرأت اور دلیری سے جواب دیا تب بیشک آپ چلے جائیں جب خدا نے حکم دیا ہے تو وہ ہمیں ضائع نہیں کریگا۔ یہ کہکر واپس لوٹ آئیں اور بچہ کو بہلانے میں مشغول ہو گئیں۔ ابراہیمؑ جب نظروں سے اوجھل ہوئے۔ تو بیوی اور بچہ کی محبت اور اس بیابان میں چھوڑ کر جانے کے خیال نے دلی جذبات کو ابھار دیا۔ دل بھر آیا بیوی بچہ چونکہ دیکھ نہیں رہے تھے اب دلی جذبات کے اظہار میں کوئی حرج نہ تھا قدیم معبد کے گرے ہوئے آثار کی طرف منہ کیا اور جذبات سے معمور دل کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کی:-

"اے ہمارے رب میں نے تیرے حکم کے ماتحت اپنی اولاد میں سے ایک کو ایسی وادی میں جس میں کھانا ملنا تو الگ رہا سبزہ تک پیدا ہونا ناممکن ہے تیرے مقدس معبد کے پاس چھوڑا ہے اے میرے رب تاکہ وہ نماز کو قائم کریں۔ پس اسے خدا لوگوں کے دلوں میں تحریک کر کہ وہ ان کیطرف مائل ہوں اور تازہ بتازہ پھل ان کیلئے مہیا کر دے تاکہ (یہ تیری قدرت کا مشاہدہ کرکے) تیرے فضل پر شکر کریں۔ اے میرے رب تو اسے بھی جانتا ہے۔ جسے ہم چھپاتے ہیں اور اسے بھی جسے ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ سے آسمان اور زمین کی کونسی بات پوشیدہ ہو سکتی ہے۔"

یہ دعا کرکے مطمئن دل کے ساتھ ابراہیمؑ تو گھر کی طرف روانہ ہوئے اور ہاجرہؓ اور اسمٰعیل اس بیابان میں اکیلے رہ گئے

مشکیزہ بھر پانی اور ایک تھیلی کھجوروں کی کب تک ساتھ دیتے آخر یہ چیزیں ختم ہو گئیں اور بھوک پیاس نے ان غریب الوطنوں کو ستانا شروع کیا۔ ماں میں قوت برداشت زیادہ تھی۔ مگر بچہ جلد نڈھال ہو گیا۔ اور اس کی تکلیف دیکھنے کی برداشت نہ پاکر ماں ادھر ادھر دوڑنے لگیں کہ شاید کہیں سے غذا ملے یا پانی دستیاب ہو۔ پاس کوئی آبادی تو تھی نہیں۔ ساری امید اسی پر تھی کہ کوئی بھولا بھٹکا قافلہ نظر آجائے تو اس سے مدد ملے۔ پاس ہی دو خشک پہاڑیاں تھیں دوڑ کر پہلے ایک پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھا پھر دوسری پر چڑھ کر دیکھا۔ کچھ نظر نہ آیا پھر پہلی پہاڑی پر چڑھ گئیں اور اس کے بعد دوسری پر۔ اسی طرح سات مرتبہ عمل کیا تھا کہ الہام ہوا کہ جا تیری قربانی قبول ہو گئی اور خدا تعالیٰ نے تیری فریاد سن لی۔ زمزم کا چشمہ جس کا دہانہ بند تھا تیرے لئے اور تیرے بیٹے کے لئے رواں کر دیا۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ واقعی چشمہ رواں ہے بچہ کو پانی پلایا اور خود پیا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان اور بھی تازہ ہو گیا۔

پانی کا تو یوں انتظام ہو گیا نے کا خدا تعالےٰ نے یہ انتظام کر دیا کہ قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ راستہ بھول کر وہاں پہنچا چونکہ پانی ان کے پاس ختم ہو چکا تھا۔ اور ہمیشہ

اس راستہ پر پانی کی تکلیف ہوتی تھی۔ ان سے اجازت لے کر ایک مستقل پڑاؤ اپنا اس جگہ پر انہوں نے بنالیا اور اپنے آپ کو اسمٰعیل کی رعایا قرار دیا۔ اور اس طرح اس شہر کی بنیاد پڑی جو مکہ کے نام سے مشہور ہے۔ (زاد اللہ شرفہا)

جب اسمٰعیل نوجوان ہوئے تو اللہ نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اب جا اور اس مقصد کو پورا کر کہ جس کے لئے اسمٰعیلؑ کو اس بے آب و گیاہ وادی میں رکھا گیا۔ یعنی ہمارے قدیم معبد کو پھر نئے سرے سے بنا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ پھر اس جگہ آئے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر اس گھر کو پھر سے تعمیر کیا۔ جو بیت اللہ کہلاتا ہے اور اس طرح اسمٰعیلؑ کی قربانی سے دنیا کی زندگی کی بنیاد پڑی۔

عید الاضحیٰ اس واقعہ کی یادگار ہے یعنی اس بکرے کی قربانی کے بدلہ میں نہیں جو اسمٰعیلؑ کے بدلے حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیا۔ بلکہ خود اسمٰعیل کی قربانی کی یاد میں جو بیت اللہ کو آباد رکھنے کے لئے کی گئی۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ ابراہیم کا اسمٰعیل کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آنا اپنے ہاتھوں قتل کرنے کے مترادف تھا۔ بلکہ حقیقتاً اس سے بھی زیادہ کیونکہ قتل کرنے سے ایک منٹ میں جان نکل جاتی ہے۔ اور اس طرح اگر خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو انہوں نے سسک سسک کر جان دی ہوتی۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اسمٰعیلؑ کے قتل کرنے کی رؤیا محض امتحان کے لئے تھی۔ کوئی حقیقت اس کے پیچھے پوشیدہ نہ تھی جب ابراہیمؑ اس کے لئے تیار ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا۔ حالانکہ یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم دیگا۔ جو اپنی ذات میں برا تھا۔ اور جسے یعنی انسانی قربانی کو وہ روکنا چاہتا تھا۔ عقل اور اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس رؤیا کی تعبیر یہی تھی کہ ایک دن حضرت ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ کو خدا تعالیٰ کے حکم سے ایسی جگہ اور ایسے حالات میں چھوڑ کر آئیں گے۔ جہاں ظاہری حالات کے مطابق ان کی موت یقینی ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کی اس قربانی کو قبول کر کے انکی زندگی کے سامان پیدا کر دیگا۔ اور انکے ذریعہ سے اس قدیم معبد کو جسے اللہ دنیا کا آخری معبد بنانا چاہتا تھا۔ آباد کرائے گا۔

اس رؤیا اور اس کی تعبیر سے اللہ تعالیٰ دنیا کو یہ سبق بھی دینا چاہتا تھا کہ **قربانی** وہ نہیں جس میں انسان خود ہلاک ہو جائے جیسا کہ دوسری قوموں میں رواج تھا۔ کہ خود مر جاتے یا اپنے عزیزوں کو ذبح کر دیتے تھے۔ بلکہ قربانی یہ ہے۔ کہ انسان اس غرض سے اس طرح تکلیف اٹھائے۔ کہ اس کا فائدہ دنیا کو پہنچے۔ خدا تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ لوگ مریں بلکہ اسے یہ پسند ہے کہ لوگ زندہ ہوں۔ وہی قربانی اس کی نظروں میں مقبول ہو سکتی ہے جو بنی نوع انسان کی زندگی کا موجب ہو۔ اسی اصل کو ہم بکرا ذبح کر کے عید الاضحیٰ میں تازہ کرتے ہیں۔ حج ابراہیم کی اس دعا کو پورا کرنے کا نشان ہے۔ کہ "اے ہمارے رب لوگوں کے دلوں میں تحریک کر کہ وہ ان کی طرف مائل ہوں اور ان کے لئے تازہ بتازہ پھل مہیا کر"

حج کے دن اس بے آب و گیاہ وادی میں دنیا بھر کے لوگ جاتے ہیں اور دنیا بھر کی نعمتیں جمع ہوتی ہیں دوسرے سب دنیا کو اس خوشی میں کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی قربانی کو اللہ نے کامل طور پر قبول کیا کہ آج تک انکا بدلہ انکی اولاد کو مل رہا ہے۔ اور آج تک اس قربانی کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا گھر آباد ہے۔ قربانی کرتی ہے اور اسطرح گویا اسمٰعیلؑ کے مقصد کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرتی ہے۔ اور اس سے اپنے اتفاق کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ سب کچھ ہے لیکن کیا مسلمان آج کل بھی عید اسی قسم کے جذبات کے ساتھ مناتے ہیں کیا یہ دن ہمارے

سوالات اور ان کے جوابات

سوال اوّل :۔ سورۃ اعراف میں فرمایا ہے :۔

قال فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون ۔ کہ انسان کرۂ ارض میں ہی رہیں گے یہیں مریں گے اور یہیں سے ہی نکالے جائیں گے

اب قابل استفسار امر یہ ہے۔ کہ راکٹوں کے ذریعہ جب انسان چاند پر پہنچ جائیں گے تو اس قرآنی بیان کی صداقت کسطرح ثابت ہوگی (سلیم اللہ نوشہرہ چھاؤنی)

الجواب :۔ قرآن مجید نے سورۃ الشوریٰ میں فرمایا ہے :۔

ومن اٰیاتہٖ خلق السمٰوٰت والارض وما بث فیھما من دابۃ وھو علیٰ جمعھم اذا یشاء قدیر (۲۹) کہ ہستی باری تعالیٰ پر یہ دلیل ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور ان دونوں میں جانداروجود پھیلائے ہیں۔ اور وہ جب چاہے گا ان کو اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔

اس آیت سے اجرام فلکیہ کی مخلوقات سے انسانوں کا اتصال ممکن معلوم ہوتا ہے۔ سورہ اعراف کی آیت عمومی رنگ رکھتی ہے جو بعض انسانوں کے چاند تک پہنچنے میں مانع نہیں ہے ہیئت دانوں کا یہ بھی قول ہے۔ کہ چاند درحقیقت زمین کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔ نیز یہ کہ وہاں جانے والے ہوا اور خوراک زمین سے ہی لے جائیں گے گویا انسانی زندگی بہرحال کرۂ ارض سے ہی وابستہ رہے گی۔

(واللہ اعلم بالصواب)

سوال دوم :۔ ایک غیر احمدی دوست پوچھتے ہیں کہ قرآن کریم تو اعلان کرتا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم لیکن حضرت مرزا صاحب کی کتاب کشتی نوح میں لکھا ہے کہ "اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ اس فقرہ سے تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود کے آنے سے قبل اسلامی عمارت قابل تکمیل تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو قرآن پاک کی متذکرہ بالا آیت کا کیا مطلب ہوگا۔ (عبداللطیف بیدیانوالا۔ لائلپور)

الجواب :۔ قرآنی آیت اور کشتی نوح کی عبارت میں کوئی تضاد نہیں۔ ساری عبارت سامنے رکھنی چاہئے مکمل عبارت یوں ہے۔

"نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے۔ جو خدا سچ ہے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے۔ اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے۔ کہ اس کے افاضۂ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ کیونکہ

ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (کشتی نوح صـ۱۳)

یہ عبارت اپنے مفہوم میں نہایت واضح ہے اس میں نمایاں طور پر اعلان کیا گیا ہے۔ کہ دین اسلام کامل ہے اور ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کامل رسول ہیں اور قیامت تک وہی زندہ رسول ہیں اور آپ کا افاضہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

مسیح موعود کا آنا قرآنی دعا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کے مطابق ضروری تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے افاضہ روحانی کی اسلامی عمارت اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تھی کہ امت محمدیہ میں بھی اسی طرح کا مسیح دیا جائے جس طرح کا مسیح امت موسویہ کو دیا گیا تھا۔ مسیح موعود کا کام دین اسلام کو نافذ کرنا اور اس کی اشاعت کی تکمیل کرنا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ اسلامی عمارت کی تکمیل یعنی اشاعت اسلام کے لئے مسیح موعود کا آنا... ضروری تھا۔

سوال سوم :-

؎ اے سید الوریٰ مدد ے وقت نصرت است
در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

کی تطبیق "ایاک نستعین" کے ساتھ فرمائیں۔ (انعام اللہ خان چمن۔ بلوچستان)

الجواب :- ایاک نستعین کا مفہوم یہ ہے کہ مومن ہر قسم کی عون و نصرت کا اللہ سے طالب ہو۔ اور ہر مدد کو اسی کی طرف سے سمجھے۔ باوجودیکہ مومنوں کو حکم ہے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ۔ کہ ایصال خیر اور دفع شر میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ ارشاد نبوی ہے۔

انصر اخاک ظالما او مظلوما (البخاری)

کہ اپنے مظلوم بھائی کی مدد دفع ظلم کے ذریعہ اور ظالم بھائی کی مدد ظلم سے اس کے ہاتھ کو روک کر کرتا رہ۔ تاہم حقیقت یہی ہے۔ کہ حقیقی عون و نصرت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جنگ بدر کے ذکر میں ایک ہزار فرشتوں کے نزول پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما جعلہ اللہ الا بشری ولتطمئن بہ قلوبکم وما النصر الا من عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم (الانفال ۱۱)

کہ یہ ایک بشارت اور طمانیت قلب کا ذریعہ تھا۔ ورنہ نصرت تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ پس ایاک نستعین کا مطلب یہ ہے۔ کہ مومن ہر مدد و نصرت اللہ سے طلب کرے خواہ وہ مدد براہ راست حاصل ہو۔ یا کسی ذریعہ سے حاصل ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر ؎

اے سید الوریٰ مدد ے وقت نصرت است
در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

کے معنے یہ ہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اسلام کی کس مپرسی کے پیش نظر مدد و نصرت کرنے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ اسلام کا باغ باغبان کے بغیر ویران ہو رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کی طرف توجہ نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس طرح مدد کریں گے۔ کہ حضور کی روح اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے باغبان مہیا کر دے گا۔ اسی مفہوم کو مولانا حالی نے یوں بیان کیا ہے ؎

اے خاصۂ خاصان رسل! وقت دعا ہے
امت پہ تری وقت کڑا آن پڑا ہے

اس جگہ صرف یہ سوال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سے خطاب کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب عالم کشف میں ہے جب کہ متکلم یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے محبوب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کشفی طور پر دیکھ رہے ہیں اور ان سے خطاب کر رہے ہیں۔ اور اس میں کسی قسم کا استبعاد اور اشکال نہیں۔ عام آدمی بھی خواب میں وفات یافتہ انسانوں سے خطاب کر لیتے ہیں انبیاء پھر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم تو روحانی طور پر زندہ ہیں۔ ان سے عالم کشف میں خطاب میں کونسی تعجب کی بات ہے۔ عام لوگ غائب شخص کو خیال و تصور میں خطاب کرتے ہیں۔ مگر اتقیاء و ابرار تو زندگی کی روحانی آنکھ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو بروز وظل کا مقام حاصل ہے اس لئے آپکو عالم کشف میں بیداری میں بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے اور یہ خطاب ایسے ہی موقعہ کا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بارگاہِ ایزدی میں امت مرحومہ کی بہتری کے لئے بذریعہ دعا مدد کی درخواست کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت نہ ایاک نستعین کے منافی ہے اور نہ اس میں شرک کا شائبہ ہے۔

سوال چہارم :- حضرت مریم کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دینے والے فرشتے ایک تھے یا زیادہ۔ سورہ مریم اور سورہ آل عمران کے حوالے ملاحظہ فرما کر تطبیق فرمائیں

(انعام اللہ خان۔ یوسف زئی بلوچستان)

الجواب :- سورہ آل عمران میں اذ قالت الملائکۃ ہے۔ اور سورہ مریم میں فارسلنا الیہا روحنا فرمایا ہے جبرائیل علیہ السلام ایک جماعت ملائکہ کے ساتھ بشارت پر مامور تھے۔ مگر گفتگوئے بشارت صرف جبرائیل نے کی ہے۔ اس لئے دونوں بیان درست ہیں۔ اللہ تعالے نے فرعون کی طرف موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھیجا۔ اور فرمایا :-

قولا لہ قولاً لیناً

تم دونوں اس سے نرم پیرایہ میں گفتگو کرنا

مگر قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ ساری گفتگو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کرتے رہے حضرت ہارون تابع تھے دنیوی نظام میں سفارتی وفود میں ارکان بہت سے ہوتے ہیں گفتگو وفد کی طرف ہی منسوب ہوتی ہے۔ مگر عملاً بات چیت کرنے والے وفود کے لیڈر ہوا کرتے ہیں

سوال پنجم :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں عیسیٰ بن مریم فرمایا ہے۔ ابن مریم نام رکھنے میں کیا حکمت تھی

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بڑا کام کسر صلیب قرار دیا گیا ہے۔ عیسائی مذہب اس عقیدہ پر قائم ہے۔ کہ حضرت ابن مریم ابن اللہ تھے۔ اور انسانوں کے کفارہ کے طور پر صلیب پر فوت ہو گئے تھے اس عقیدہ کی تردید کے لئے آنے والے مامور کا نام ابن مریم قرار دینا بڑا پُر حکمت ہے۔

نیز ابن مریم حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں چودھویں صدی میں ان کے مشن کو پورا کرنے آئے تھے حضرت مسیح موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تائید و نصرت کے لئے چودھویں صدی میں سلسلہ محمدیہ میں مبعوث ہوئے علاوہ ازیں دونوں مصلحین میں بکثرت مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مشابہت کی بناء پر آپ کو ابن مریم قرار دیا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

(آئینہ کمالات اسلام)

شب برات کی حقیقت

تعاقب

از جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

الفرقان کی اشاعت متعلقہ ماہ شعبان ۱۳۷۸ھ (مارچ ۱۹۵۹ء) میں سوالات اور ان کے جوابات کے عنوان کے تحت، شب برات کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب شائع ہوا ہے جو از روئے علمی تحقیق قابل اصلاح ہے۔

جواب دینے والے فاضل نے جن روایات کی بناء پر شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت کے بارے میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے، انہی روایات کے محدثین نے یہ روایتیں کمزور بتائی ہیں اور خود فاضل مضمون نویس نے بھی اپنے جواب میں لکھا ہے "کہ ان احادیث کو بعض محدثین نے کمزور بھی قرار دیا ہے"۔ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ بعض محدثین کے نزدیک یہ روایتیں کمزور نہیں۔ مگر جن محدثین نے یہ روایتیں کمزور قرار دی ہیں، وہ بہت پائے کے محدثین ہیں۔ جن میں سے نمبر اوّل پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ صحیح بخاری (پ ۵۲ کتاب الصوم) میں اس بارے میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا گیا ہے "شعبان کے روزے رکھنا" اور اس باب کے تحت دو روایتیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزے سارا مہینہ رکھے اور شعبان میں بھی آپ نے روزے رکھے ان دو روایتوں کے سوا اس باب میں کوئی روایت درج نہیں کی گئی جس سے پایا جاتا ہو کہ پندرہ شعبان کی رات یا دن کو کوئی خصوصیت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس جلیل القدر محقق کے نزدیک وہ تمام روایتیں ساقط الاعتبار ہیں جن میں پندرھویں شعبان کے بارے میں خصوصیت سے ذکر ہوا ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے جن روایتوں کو نقل کیا ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص پندرھویں شعبان کو روزہ رکھے گا اور آدھی رات کو چودہ رکعت نماز تہجد پڑھے گا اور پھر وہ اگلے دن بھی روزہ دار ہوگا اور چودہ دفعہ سورہ فاتحہ پڑھے تو اس نے گویا بیس مقبول حج کئے اور بیس سال کے روزے رکھے یہ الفاظ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ ایسی روایتیں نہ صرف جمہور ہی نے رد کی ہیں بلکہ خود ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے بھی انہیں کمزور قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت مقطوع السند بھی ہے۔ اور امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی روایتیں موضوعات میں شمار کیں ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ابو زرعہؒ اور ابو حاتمؒ نے بالاتفاق ثابت کیا ہے کہ ان راویوں کی میل ملاقات ایک دوسرے سے اور ان کی سماعت قطعاً ثابت نہیں۔

نصف شعبان کی رات کو چراغاں کرنے سے متعلق بھی بعض روایات ہیں۔ جو عند التحقیق وضعی ثابت ہوئی ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ اس بدعت کا پس منظر ایران کے آتش پرست مجوسیوں کی پرانی رسم تھی۔ جو وہ پندرہ شعبان

کو منایا کرتے تھے۔ "برات" ایرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی قسمت۔ شب برات یعنی قسمت کی رات ہندی زبان میں بھی برات کے معنے قسمت ہیں۔ بنگال تک یہ لفظ قسمت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے پنجاب میں بھی یہ لفظ قسمت کے معنوں میں مستعمل ہے۔ یہ بدعت عراق میں یحییٰ بن خالد برمکی کے زمانہ میں ایران سے داخل ہوئی جبکہ وہ آذر بائیجان کے حاکم تھے۔ اور پھر ہارون الرشید کے وزیر ہوتے اور اسلامی تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے۔ کہ علامہ ابن دحیہؒ نے اسلامی ممالک میں جب یہ بدعت دیکھی تو انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ اور ملک کامل سے ملے۔ دوران ملاقات میں اس بدعت کا ذکر کیا۔ آخر اس نیک بادشاہ کے حکم سے مصر کے تمام صوبہ جات میں اس رسم کا قلع قمع کیا گیا

ایران ہی سے ہندوستان میں یہ بدعت آئی لیکن یہاں کسی عالم کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ کسی مسلمان بادشاہ کی غیرت کو تحریک کر سکیں تا ہمارے ملک میں بھی اس کا خاتمہ ہو۔ اور اب تعجب یہ ہے کہ جماعت احمدیہ جو تجدید کی غرض سے کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے ایک فاضل کی قلم سے اس بدعت کے تعلق میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ احادیث نبویہ کی رو سے اس رات کے یہ دونوں نام درست ہیں یعنی شب برات اور لیلۃ البرأۃ اور اس کے معنی پاک اور بری ہونے کے ہیں۔ اور قسمت کے ہیں اور یہ کہ "ان احادیث نبویہ کی رو سے شعبان کی پندرھویں رات یعنی شب برات کی فضیلت ظاہر ہے"۔ اور اس کی توجیہہ ان کے قلم سے یہ کی گئی ہے۔

"دراصل اب چونکہ رمضان المبارک کی آمد آمد ہوتی ہے۔ اس لئے آسمان پر ایک روحانی انقلاب شروع ہو جاتا ہے اور انسانی قلوب کو تیار کرنے کیلئے رحمت الٰہی جوش پر ہوتی ہے"۔

یک نہ شد دو شد۔ زمین کی جو کہی تھی وہ تو محققین نے غلط ثابت کر دی اور آسمانی رحمت کے جوش سے متعلق جو خبر سنائی ہے۔ وہ مجھے تسلیم ہے۔ کہ یہ رحمت الٰہی ہر وقت جوش میں رہتی ہے۔ کل یوم ھو فی شان۔ شعبان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بار رمضان کے وہ روزے ضرور رکھے جو بوجہ سفر چھوٹ گئے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں ہی کم از کم تین روزے رکھتے اور اس سے زیادہ بھی اور صحابہ کرامؓ کو بھی تلقین فرماتے در اس بارے میں صرف شعبان کو ہی خصوصیت نہ تھی۔ کہ مذکورہ بالا توجیہہ میں رمضان کی آمد آمد کا حوالہ دیا جاتا مسلمانوں میں بہت سی رسوم جو اس وقت بھی پائی جاتی ہیں وہ مشرکین کی نقل اور ریس کا نتیجہ ہے۔ خود ہمارے ملک میں دیکھ لیں کہ جنم و مرگ اور شادی و بیاہ وغیرہ میں اسوقت جو صورت حال ہے۔ وہ سب ہندوؤں کی نقالی ہے ہندو دیوالی میں دیئے جلاتے ہیں اور مسلمان شعبان میں چراغاں کرتے ہیں۔ ہندو دولہا کو جھنڈ وغیرہ کو سیس نواتے ہیں۔ اور مسلمان اپنے دولہا کو کسی پیر فقیر یا مزار پر سجدہ کرواتے ہیں۔ کیا اس تنزل وادبار کے بعد بھی مسلمانوں کو خیال نہیں پیدا ہوتا کہ وہ خدائے قدوس کی طرف رجوع کریں اور اپنے ہادی رہنما محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنائیں، اور اس قسم کی تمام بدعتوں کو الوداع کہیں!

زین العابدین ۱۳-۳-۵۹

الفرقان

جہاں تک بدعات — حلوہ، چراغاں اور آتش بازی وغیرہ کا

تعلق ہے۔ ہم اپنے جواب مندرجہ الفرقان مارچ ۵۹ء
میں ان کی مذمت کر چکے ہیں لیکن شعبان کی پندرھویں
رات کے خاص قیام کی جو ترغیب احادیث نبویہ سے
ثابت ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم چار احادیث
ابن ماجہ، احمد، البیہقی اور الترمذی سے درج
کر چکے ہیں۔ ہم نے لکھا تھا کہ "ان احادیث کو بعض
محدثین نے کمزور بھی قرار دیا ہے۔ مگر فی الجملہ یہ شب
برات کی برکت پر دال ہیں" ان حالات میں طویل تعاقب
پر جو محترم جناب سید زین العابدین صاحب نے
رقم فرمایا ہے۔ کسی مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ ماہ
شعبان کے بارے میں جناب شاہ صاحب نے.....
صحیح البخاری کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔
اس کے الفاظ یہ ہیں :-

ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم استکمل صیام
شھر الا رمضان وما رأیتہ اکثر
صیاماً منہ فی شعبان۔

کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے
پورے روزے رکھتے تھے۔ نفلی روزے
باقی مہینوں میں سب سے زیادہ ماہ شعبان
میں رکھا کرتے تھے۔

پندرھویں شعبان کی رات کو لیلۃ البرأۃ شروح
احادیث میں لکھا ہے۔ مشکوۃ کی شرح مرقاۃ میں لکھا ہے

لیلۃ النصف من شعبان
وھی لیلۃ البراءۃ ولعل وجہ
تخصیصھا لانھا لیلۃ مبارکۃ
فیھا یفرق کل امر حکیم و
یدبر کل خطب عظیم مما یقع
فی السنۃ کلھا من الاحیاء

والامانۃ وغیرھما حتی یکتب
الحجاج وغیرھم"
(حاشیہ مشکوۃ المصابیح صہ ۱۱۳)

حضرت حکم عدل مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے :-
"نصف شعبان کی رات کو جو لوگ حلوے
وغیرہ کی رسوم کرتے ہیں۔ یہ سب بدعات
ہیں" (فتاوی مسیح موعود صہ ۲۳۵)

پس میانہ روی یہی ہے۔ کہ بدعات والے حصہ کو مجوسیوں
کی پرانی رسم قرار دیا جائے۔ مگر قیام اللیل وغیرہ کی
بابرکت ترغیب کی حد تک ان احادیث نبویہ کو تسلیم
کیا جائے۔ جو موضوع نہیں ہیں عملی زندگی میں ان احادیث
کو بعض محدثین کا ضعیف قرار دینا چنداں اثر انداز نہیں
ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

(الف) "ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے
کہ اگر کوئی حدیث معارض یا مخالف
قرآن اور سنت نہ ہو۔ تو خواہ کیسے ہی
ادنی درجہ کی حدیث ہو۔ اس پر وہ
عمل کریں" (ریویو بر مباحثہ صہ ۸)

(ب) "اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بھی ہو
بشرطیکہ وہ قرآن اور سنت اور ایسی
احادیث کے مخالف نہیں جو قرآن
کے موافق ہیں۔ تو اس حدیث پر عمل
کرو" (کشتی نوح صہ ۵۹)

بقایا دار حضرات توجہ فرما کر
اپنا بقایا جلد ارسال کریں۔ مینجر

البیان

قرآن مجید کا سلیس اُردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا

لوگ تجھ سے حیض کے ایام کے بارے میں مسائل دریافت کریں گے۔ انہیں کہدیں کہ یہ ایک فطری تکلیف ہے

النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ج

ان ایام میں اپنی بیویوں سے الگ رہو۔ اور جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں۔ ان کے پاس مت جاؤ

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ

ہاں جب وہ نہا کر پاک ہو جائیں تو اسی طریق سے ان کے پاس جاؤ جس کا اللہ تعالیٰ نے (فطرتاً اور شرعاً) تمہیں حکم دیا ہے

اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○

یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور کامل پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے پیار کرتا ہے۔

لے اسلام ایک کامل دین ہے اس میں روحانی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری اور مادی پاکیزگی کے احکام بھی دئے گئے ہیں۔ اور ایسے قواعد مقرر کئے گئے ہیں۔ جن کی اتباع سے انسان ہر قسم کی خرابی سے محفوظ ہو جاتا ہے

شادی بیاہ کے مسائل میں ایام حیض میں عورتوں سے سلوک کا ایک اہم سوال ہے۔ بہت سی قوموں میں ان ایام میں جو ایک فطری اور خلقی حالت ہے عورتوں کو نجس اور ناپاک قرار دے کر ہاتھ تک لگانے سے اجتناب کیا جاتا تھا گویا وہ اچھوت ہیں۔ اور کچھ لوگ ان ایام میں کسی قسم کا پرہیز یا احتیاط نہیں کرتے تھے۔

اسلام نے یہ حکم دیا ہے۔ کہ ان ایام میں تعلقات زوجیت منع ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے روحانی خرابی کے علاوہ صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ اس ممانعت کے علاوہ باقی کوئی ممانعت نہیں۔ لفظ المحیض مصدر میمی بھی ہے اور ظرف بھی ہے اس ایک لفظ سے کئی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

ـه سلسلہ کے لئے الفرقان نومبر ۵۱ء ملاحظہ فرمائیں۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ

تمہاری بیویاں (افزائش نسل کے لحاظ سے) تمہاری کھیتی ہیں۔ لہٰذا تم اپنی کھیتی میں جیسے چاہو آ سکتے ہو۔

وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم

اور اپنے نفسوں کے لئے مستقبل کا خیال رکھو (لفظی ترجمہ "آگے بھیجو" ہے) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان لو کہ تم اس کے حضور

مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ

پیش ہونے والے ہو۔ اور اے نبی! تو مومنوں کی بشارت دے۔ تم اللہ تعالیٰ کو اپنی ایسی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ

عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ

کہ ہم کسی سے نیک سلوک نہ کریں گے۔ ہم تقویٰ اختیار نہ کریں گے یا ہم لوگوں کے درمیان مصالحت نہ

النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ

کرایا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری لغو قسموں

بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ

کے بارے میں مواخذہ نہ کرے گا۔ لیکن جو قسمیں تم نے دل کے عزم اور ارادے سے کھائی ہوں گی

لہ لفظ حَرْث میں ایک تو اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تمہاری نسل اور تمہارا ذکر خیر تمہاری بیویوں کے ذریعہ سے ہی قائم ہوگا۔ تم ان سے جس قسم کا سلوک کروگے اسی قسم کے اثرات تمہاری اولاد میں منتقل ہوں گے۔ اس میں بیویوں سے حسن سلوک کی تلقین ہے۔ دوسرا اشارہ اس طرف ہے۔ کہ ایسا طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے کھیتی برباد ہو جائے اور انسانی کوششیں ضائع چلی جائیں۔ اخلاقی حسن معاشرت کے علاوہ ظاہری طور پر بھی بیویوں سے عمدہ سلوک کے لئے یہ بہترین تشبیہ ہے۔

لہ قسم گواہی کی قائم مقام ہوتی ہے۔ گھریلو معاملات میں قسم کھانے کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ میں اپنے اس قول یا عمل پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اس طرح وہ شخص اپنے اوپر ذمہ واری کو پختہ کر لیتا ہے۔ بعض لوگ خدا کا نام لے کر نیکی کرنے سے رکنے، تقویٰ سے ترک یا لوگوں کی باہمی مصالحت نہ کرانے کا عزم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کو ایسے ارادوں سے منع کیا ہے اور ایسی قسمیں کھانے سے روک دیا۔ **لغو قسم** وہ ہے جو لوگ عادتاً یا بے شعوری میں کھاتے ہیں۔ اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن جو قسم نیت اور ارادہ سے کھائی جاتی ہے اس پر ضرور مواخذہ کیا جاتا ہے۔

قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ

ان پر ضرور مواخذہ کریگا۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بردبار ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں کے بارے میں

نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ

(ایلاء) قسم کھاتے ہیں چار ماہ تک انتظار زیادہ سے زیادہ انتظار کرنے کا اختیار ہے۔ اگر وہ اس عرصہ میں رجوع کرلیں تو اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے۔ اور اگر ان کا طلاق دینے کا پختہ ارادہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا

جن عورتوں کو طلاق دی جائے۔ وہ تین حیض یا طہر کے زمانہ تک اپنے آپ کو (کسی نئے اقدام سے) روکے رکھیں۔ ان

يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ

کے لئے یہ بھی روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں جو کچھ پیدا کر رکھا ہے - اسے

لے ایلاء ۔ وہ قسم ہوتی ہے جو خاوند بیوی سے تعلقات زوجیت کو قطع کرنے کے بارے میں کھاتا ہے۔ وہ عورت اس کے گھر میں رہتی ہے۔ اور اس کی بیوی شمار ہوتی ہے۔ لیکن وہ عملی زندگی میں بیوی نہیں ہوتی۔ اسلام اس حالت کو سخت ناپسند کرتا ہے جسکم یہ ہے۔ کہ ایسے غلط کار خاوند چار ماہ سے زیادہ اس حالت کو لمبا نہیں کر سکتے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ کہ چار ماہ سے پہلے اگر رجوع نہ کیا جائے تو چار ماہ کے گزرنے پر طلاق ہو جائے گی۔ امام مالک کا قول ہے۔ کہ چار ماہ کے بعد قاضی ان میں علیحدگی کرا دے۔ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا قول ہے۔ کہ چار ماہ گزرنے پر قاضی مرد کو رجوع یا طلاق پر مجبور کریگا۔

سلے ۔ حضرت ابوبکرؓ ۔ حضرت عمرؓ ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور امام ابوحنیفہ نے قروءٌ کے معنے حیض کے لئے ہیں اور زید بن ثابت حضرت عائشہؓ ابن عمرؓ مالک اور شافعی نے قرء کے معنے طہر لئے ہیں

(البحر المحیط)

یہ لغوی اختلاف کئی فقہی اختلافات کی بنیاد ہے۔

اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط

چھپائیں اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر سچ مچ ایمان لاتی ہیں۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا

مذکورہ بالا عرصہ (ثلاثہ قروء) تک ان کے خاوند انہیں دوبارہ اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حقدار ہیں بشرطیکہ ان

اِصْلَاحًا ط وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

کا ارادہ باہمی اصلاح کا ہو۔ بیویوں کو بھی دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسا کہ ان پر

بِالْمَعْرُوْفِ ص وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط وَاللّٰهُ

ذمہ واریاں ہیں۔ ہاں مردوں کو ان پر ایک رنگ کی فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب اور

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ع ۲۸ ۱۲

بہت حکمت والا ہے۔

لے عورتوں کے حقوق اور ان کی ذمہ واریوں کو اللہ تعالےٰ نے مساوی قرار دیا ہے۔ صرف انتظامی طور پر اللہ تعالےٰ نے مردوں کو فضیلت بخشی ہے اس فضیلت کی وجہ سے درحقیقت مرد کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے مگر افسوس ہے۔ کہ بعض مرد وللرجال علیھن درجۃ کو تو فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں مگر اس درجہ کی وجہ سے ان پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ان کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتے

مکتبہ الفرقان

آپکی ضرورت کی سب کتابیں مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سلسلہ احمدیہ کی جملہ کتابیں آپ اس مکتبہ کی معرفت طلب فرما سکتے ہیں۔

۱۔ بہائیت کی تردید میں دو ٹھوس کتابیں جن میں بہائیوں کی مخفی شریعت مع ترجمہ بھی شامل ہے۔ مجلد ساڑھے چار روپے

۲۔ اسلام پر ایک نظر اطالوی مستشرقہ کی کتاب کا اردو ترجمہ قابل دید کتاب ہے قیمت دس آنے

۳۔ کلمۃ الیقین فی تفسیر خاتم النبیین:۔ سولہ صفحات کا جامع ٹریکٹ۔ فی نسخہ ۲ر، آٹھ روپے سینکڑہ۔ مع محصول ڈاک۔

۴۔ الفرقان کے پرانے رسالہ جات آدھی قیمت پر

طلب فرمائیں

(مینیجر)

رسالہ الفرقان کی توسیع اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ارشاد

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہئے"

(الفضل ۵ جنوری ۵۶ء)

رسالہ الفرقان اور اسکے معاونین

حضرت امام ایدہ اللہ بنصرہ کے مذکورہ بالا ارشاد کی تعمیل میں اس ماہ محترمہ جناب بیگم صاحبہ شیخ محمد محسن صاحب مرحوم لائلپور نے بیس خریداروں کے چندہ کے طور پر یکصد روپیہ بھجوایا جس میں وقف جدید کے چالیس معلمین کے نام نصف قیمت میں سال بھر کے لئے رسالہ جاری کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب موصوف کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اہلیہ صاحبہ کو بھی جزا دے۔ آمین۔

نیز ملک عبد اللطیف صاحب ستکوہی نے پانچ روپے ایک خریدار کے لئے عنایت فرمائے ہیں

جزاھم اللہ خیراً

(ایڈیٹر الفرقان)

وی پی آتے ہیں

جن حضرات کا چندہ ماہ مئی ۱۹۵۹ء میں ختم ہے۔ ان کے نام ماہ مئی کا الفرقان آئندہ چندہ کی وصولی کے لئے بذریعہ وی۔پی ارسال ہوگا۔ اگر یہ احباب یکم مئی سے پہلے پہلے چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوادیں تو دوہرا فائدہ ہے۔ انہیں آٹھ آنے کی بچت ہوگی اور دفتر کو بھی آرام رہے گا۔ منی آرڈر کرنے والے خریدار حضرات پانچ روپے کا منی آرڈر کردیں۔

۵ مئی کو جن حضرات کے نام مبلغ ۵ روپے ۶ آنے کا وی۔پی ہوگا۔ ان کے نمبر خریداری درج ذیل ہیں۔

۷۵ - ۱۴۴ - ۲۴۵ - ۳۸۲ - ۴۷۴ - ۵۴۵
۶۰۲ - ۶۶۴ - ۷۹۸ - ۸۱۱ - ۸۲۰ - ۸۲۲ - ۸۲۳
۹۴۴ - ۹۶۳

نوٹ:۔ اگر کسی وجہ سے جلد وی۔پی وصول نہ کرسکتے ہوں تو جلد مطلع فرمائیں۔

(مینیجر الفرقان ربوہ)

نورکاجل

- آنکھوں کو بیماری سے محفوظ رکھتا ہے۔
- بیمار آنکھوں کا علاج ہے۔
- گرمیوں میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔
- آنکھوں کو گرد و غبار سے صاف کرتا ہے۔
- آنکھوں میں چمک اور خوبصورتی پیدا کرکے چہرہ کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔

خارش۔ پانی بہنا۔ بھمنی اور ناخونہ کا بہترین علاج ہے۔

بیسیوں جڑی بوٹیوں کے جوہر سے تیار کیا گیا ہے۔ اور پچاس سالہ استعمال و تجربہ کے بعد پیش کیا جارہا ہے۔

لہذا اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی آنکھوں کو خوبصورت رکھنے کے لئے ہمیشہ نورکاجل استعمال کریں۔

بوقت ضرورت ایک ایک سلائی آنکھوں میں ڈالیں۔

قیمت فی شیشی ــــــ ایک روپیہ ۴ آنے

علاوہ پیکنگ و محصولڈاک

پیش کردہ:۔

خورشید یونانی دواخانہ

گولبازار ربوہ (پاکستان)

اپنی جملہ طبی ضروریات

عرق۔ شربت۔ مربے۔ معاجین

اطریفلات وغیرہ عمدہ اور خالص

دیسی ادویہ خریدنے کیلئے

"خورشید یونانی دواخانہ" کی طرف رجوع کریں

الفردوس کلاتھ مرچنٹ

انارکلی لاہور

سے

ہر قسم کا سوتی۔ ریشمی اور اونی کپڑا خریدیں

پہلے سے زیادہ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے

تشریف لائیے ——— تجربہ شرط ہے

الفردوس کلاتھ مرچنٹ انارکلی لاہور

طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر رسالہ الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا۔